جامع الشواہد

فی

دخول غیر المسلم فی المساجد

مولانا ابوالکلام آزاد

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس

۱۵۶۱ گلی کوتانہ سوئیوالان دہلی ۱۱۰۰۰۲

جامع الشواہد

جس میں

ادلہ شرعیہ سے ثابت کیا گیا ہے
کہ مسلمانوں کے اذن سے غیر مسلم کا
مسجدوں میں داخل ہونا جائز ہے
اور مساجد کی مجالس میں ان کو
شریک کیا جا سکتا ہے ۔ ضمناً
حقوق و آداب مساجد اور آیۂ
کریمہ انما المشرکون نجس فلا
یقربوا المسجد الحرام ، الخ
کی تفسیر اور بعض دیگر مباحث
مہمہ میں آگئے ہیں ۔

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل — سنہ ۱۹۸۸ء

باہتمام — اسعد حسین صدیقی

قیمت — ۱۰/-

طابع — زمزم پریس دہلی ۶

AZA
U
297.35
AZA

L 11995

فصل چہار دہم ۔ ہندوستان کے ہندو کس قسم کے
غیر مسلم ہیں۔
فصل پانزدہم ۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان
فصل شانزدہم ۔ ذمیوں کے دخول مسجد حرام کی نسبت
احناف کی رائے اور اس کا جواب
فصل ہفت دہم ۔ اس مسئلہ میں اختلاف کے علاوہ
ائمہ ثلاثہ کی رائے
فصل ہشت دہم ۔ مقامات وبلاد اسلام میں
غیر مسلموں کے حقوق کی تفصیل
فصل نوزدہم ۔ کیا مسجدیں صرف نماز کے لئے ہیں
فصل بستم ۔ رفع الصوت فی المساجد اور
حضرت عمر کی روایت کی تشریح
فصل بست ویکم ۔ تحقیق نماز جنازہ غائب کا وعدہ
فصل بست ودوم ۔ مولانا عبد الباری فرنگی محل کا خط
فصل بست وسوم ۔ انقلاب حالات وخاتمہ

فہرست

تمہید
فصل اول ۔ مسجد نبوی میں غیر مسلموں کا داخل ہونا
فصل دوم ۔ واقعۂ وفد نجران
فصل سوم ۔ واقعہ و ثقیف
فصل چہارم ۔ مسلمانوں کا طرز عمل اور اسکے نتائج
فصل پنجم ۔ وفد ثقیف کے قیام فی المسجد کی تعلیل
فصل ششم ۔ اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے
فصل ہفتم ۔ خدا کی ساری زمین اسلام کے لئے مسجد ہے
فصل ہشتم ۔ ثمامہ بن آثال کا واقعہ
فصل نہم ۔ عامہ مجتہدین اور احناف کی رائیں
فصل دہم ۔ تشریح آیہ کریمہ انما المشرکون نجس ۔
مذہب احناف اور مسلمانوں کا عمل مستمر
فصل یازدہم ۔ امام شافعی کا مذہب اور صاحب
ہدایہ کا تسامح
فصل دوازدہم ۔ مسجدوں میں غیر مسلموں کا داخلہ
مقید ہے یا غیر مقید ۔
فصل سیزدہم ۔ ایک غلط استنباط

تمہید

الحمد للہ وحدہٗ۔ بعض اخبارات نے مسلمانان دہلی وکلکتہ کے اس طرز عمل کو شرعًا جائز قرار دیا ہے، کہ مسجدوں کی مجالس میں ہندوؤں کو بھی شریک کیا گیا، اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی، دہلی کے مسلمان سب سے زیادہ نشانہ ملامت ہیں کہ انہوں نے سوامی شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔ ان اخبارات نے اس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے، بلکہ ایک سخت فتنہ و بدعت سے تعبیر کیا ہے، اور لکھا ہے۔ کہ مساجد کی توہین کی گئی۔ اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا۔ وغیر ذالک۔

جن صاحبوں نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں، انہوں نے اس مقصد کے لئے بڑی تمہیدیں اٹھائی ہیں اور شاندار عنوانات اختیار کئے ہیں۔ مثلاً

"مسلمانوں کو ہر حال میں چاہیے، کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں، اور جوش اتحاد میں ایسے بیخود نہ ہوجائیں کہ احکام شرعیہ سے بے پرواہ ہوجائیں"

ان شاندار و اعظانہ تمہیدوں کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسلمانان دہلی و کلکتہ نے کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام و شرعیہ کی گئی ہے، اور اب اس پر ماتم کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس دور فتن و بدعات میں اگر مسلمانوں کی کسی جماعت نے کوئی بہتر سے بہتر کام

خود اصل واقعہ بھی غلط سمجھا گیا ہے، جامع مسجد کے جلسے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ سوامی شردھانند نے ممبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور ممبر کو لوگوں نے ممبر جمعہ سمجھ لیا جو مسجدوں کے ہاں ہوتا ہے۔ حالانکہ ممبر سے مقصود مکبّر کا چبوترہ ہے۔ جو صحن مسجد میں ہے؛ اور اس پر "ممبر مصطلحہ مساجد" کا اطلاق کسی طرح درست نہیں۔ یہ چبوترہ بڑی بڑی مسجدوں میں بنایا جاتا ہے تاکہ تکبیرات انتقال کو ایک بلند مقام سے دہرایا جا سکے۔ پھر اگر اس چبوترہ پر ایک غیر مسلم دوست نے مسلمانوں کی اجازت سے کھڑے ہو کر تقریر کی تو اس میں شرعاً کیا قباحت لازم آئی؟

ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان

رہا اصل مسئلہ یعنی غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا۔ تو معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف داخل ہی ہونا جائز ہے بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ اگر مصالح مقصود ہوں تو ان کی مسجدیں عارضی طور پر بطور مہمان کے ٹھہرانا بھی جائز ہے اور ٹھہرانا کا جو امام یا مسلمانوں کی جو جماعت رعایت مصالح شرعی کے ساتھ ایسا کرتی ہے۔ وہ ٹھیک اسی اسوہ حسنہ کی پیروی کرتی ہے، جسے صاحب شریعۃ صلعم نے امّت کو دکھلایا ہے۔

خیر الہدی ہدی محمد وشر الامور محدثاتہا۔

ابوالکلام آزاد

کیا ہے، تو وہ یہی ایک کام ہے کہ مقاصد صالحہ سے مسجدوں میں مجالس منعقد کیں۔ اور اپنے غیر مذہب ہمسایوں اور حلیفوں یعنی ہندوؤں کو بھی اس مقصد سے ان میں شریک کیا۔ جس مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندوں اور دوستوں کو مسجد میں بلاتے اور ٹھہراتے تھے افسوس بغیر علم کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ جو فعل مستحسن اور بدیٔ نبوۃ سے ماخوذ ہے۔ اس کو بدعت قرار دیا جا رہا ہے۔ اور طرح طرح کی بدعتیں علانیہ مسجدوں میں ہو رہی ہیں۔ مثلاً انعقاد و مواسم و مسائل بدعیہ۔

رفع الصوت وبیع وشراء فی المسجد، وھجوم
مساکین وسائلین، وھرج فی الجماعته وسکونته
فساق وتارکین صلوٰۃ، وصلانان معاً،
وغیر ذالک،

ان کو کوئی نہیں روکتا، بلکہ بہت سے مدعیانِ علم ہیں جو ان کو عین سنت سمجھ رہے ہیں، احکام شرعیہ کی تقدیم و پابندی تو عین مطلوب و مقصود ہے لیکن اس کے وعظ کا استعمال صحیح موقعہ پر ہونا چاہیے۔ ان حضرات کو سب سے پہلے اپنی نسبت فیصلہ کرلینا چاہیے تھا کہ کہیں وہ خود تو حدود شرع سے متجاوز نہیں ہو رہے ہیں؟ شریعت کی پابندی کے معنی صرف یہی ہیں کہ شریعت کی پابندی کا نام شریعت نہیں ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا بِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمْ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہیں، جس سے ثابت کیا جا سکے کہ آپ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ آپ کے زمانے میں اور آپ کے بعد خلیفہ دوئم تک تمام عمارتوں کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی، اور غیر مسلم اقوام و قبائل کے جس قدر وفد (ڈیپوٹیشن) اور سفراء آتے تھے وہ یا تو مسجد میں ٹھہرائے جاتے تھے یا شہر کے مسلمانوں کے ہاں۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہمانسرا بنائی۔ جیسا کہ مقریزی اور عسکری نے لکھا ہے اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں تشریح کی ہے کہ مدینہ کی مہمانسرائے ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ فاروقؓ کے حکم سے تعمیر ہوئی۔

واقعہ وفد نجران

از انجملہ وفد نجران کا جو واقعہ ہے جو صحاح و سیرۃ میں بہ تفصیل موجود ہے اور جس کی نسبت سورۂ آل عمران کی آیات سامعہ اہل کتاب بالاتفاق نازل ہوئیں۔ نجران (یمن) میں عیسائی آباد تھے اسلام کا پیام دعوۃ پہنچا تو آمدورفت شروع کی۔ دوسر فام تبرد ز آیا تو اتوار کا دن تھا اور شام قریب تھی مسجد نبوی میں پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ پہلے اپنی نماز ادا کر لیں۔ بعض مسلمانوں پر یہ بات ناگوار ہی کہ اسلام کی عبادت گاہ میں عیسائیوں کو مسیحی عبادت کی اجازت کیوں دی جائے؟ انہوں نے روکنا چاہا لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا مت روکو نماز پڑھنے دو چنانچہ وفد کے تمام عیسائی نے پورب کی طرف منہ کر کے

مسجد نبوی میں غیر مسلموں کا داخل ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتیں مسجد نبوی ہی میں منعقد ہوتی تھیں، بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے اور بلا کسی روک ٹوک کے اُن صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک مسجد سے متصل تھا، جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان کو بعض اوقات مسجد نبوی میں آپ کا انتظار کرنا پڑتا تھا، اور ان لوگوں میں غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ یہ امور ضمناً متعدد روایات سے مستنبط ہوتے ہیں، آپ سے بعض یہودی قرض داروں نے مسجد میں آکر تقاضا کیا ہے۔ اور آپ نے اپنے حلم و خلق کی وجہ سے ان کے حق طلب و تقاضا کو تسلیم فرمایا ہے۔ غیر مسلم اقوام سے پولیٹیکل علائق، سفراء کا ایاب و ذہاب معاہدہ و مواثیق کی مجالس شوریٰ عرائض و شکایات مسلمین و غیرہ مسلمین، یہود مدینہ اور مشرکین اطراف و جوانب سے پولیٹیکل تعلقات کی گفت و شنید یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی ہی میں طے پاتے تھے۔ خود مسلمانوں کو اپنے مسجد کے متعلق متعدد معاملات میں تنبیہ فرمائی اور انہی سے احکام احترام و حقوق مسجد مستنبط ہوئے۔ مثلاً

کوئی کام کیا اور چل دیئے باہیں ہمہ آپ نے اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ اپنی نمایاں اور ممتاز شکل میں بھی احترام مسجد کے خلاف نہ تھا ورنہ آپ ضرور روکتے اور ظاہر ہے کہ خلاف کیوں ہوتا۔ اسلام قیام عبادت کے لئے آیا تھا نہ کہ منع عبادت کے لئے۔ یہود و نصاریٰ پر سب سے بڑا الزام تو اُس نے یہی لگایا کہ رسمی عبادت کرتے ہیں۔ مگر وہ شے جس کا نام "قیام عبادت" ہے مفقود ہو گئی ہے۔ حافظ ابن قیم نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کے فقہ پر بھی بحث کی ہے۔

فقیہا جواز دخول اهل الکتاب مساجد المسلمین

وفیہا تمکین اهل الکتاب من صلاتھم

بحضرة المسلمین و فی مساجدھم ایضاً

اذا کان عارضاً ولا یمکنوا من اعتیاد ذلک"

(جلد دوم صفحہ ۳۹ مطبوعہ مصر)

رابعاً اس واقعہ سے ان مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیے، جو چند جزوی اختلافات کی بنا پر خود مسلمانوں کو اپنی مسجدوں میں آنے سے روکتے ہیں، اس کے لئے مقدمہ بازیاں کرتے ہیں اور

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ الخ۔

کی وعید میں داخل ہوتے ہیں۔

عاذنا اللہ تعالیٰ منہ

نماز پڑھی۔ زاد المعاد میں ہے۔

"لما قدم وفد نجران علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا الیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلاتہم فقاموا یصلون فی مسجدہ فاراد الناس منعہم فقال رسول اللہ دعوھم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتہم۔"

اس واقعہ سے کئی باتیں ثابت ہوئیں۔

اولاً یہ کہ غیر مسلم مسجد میں بلائے جا سکتے ہیں۔ نجران کے وفد کے ارکان رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ مگر آنحضرت نے ان کو مسجد میں داخل سے نہیں روکا۔

ثانیاً اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی مسجد میں اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنا چاہے، اور کوئی فعل مخصوص و مشہود بت پرستی کا خلاف احترام مسجد نہ کرے تو شرعاً اس کو نہیں روکنا چاہیے۔ الا یہ کہ اس سے کسی فساد و تفرقہ یا عادۃ و التزام یا قبضہ و تمکین کا اندیشہ ہو، مسجد خدا کی عبادت کے لئے ہے۔ پس اس کا ہر بندہ عبادت کرسکتا ہے۔ لیکن شرک عبادۃ نہیں ہے۔ عبادت کی ضد ہے۔ اس لئے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ میں نہیں دی جا سکتی۔ مسیحی نماز کے تین رکن ہیں۔ تلاوۃ، سجدہ، دعا۔ پس انہوں نے اپنے طریق پر یہی کیا ہوگا۔

ثالثاً روایات سے ثابت ہے کہ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے۔ ساٹھ آدمیوں کی جماعت اچھی خاصی جماعت ہے، نماز پڑھی ہوگی تو بہت نمایاں حالت ہوگی۔ کچھ یہ بات نہ تھی کہ ایک دو آدمیوں نے کسی گوشے میں چھپکے سے

اسی روایت کو بہ تغیر بعض الفاظ طبرانی نے بھی اوسط میں لیا ہے، اور ابوداؤد نے بروایت حسن مرسلاً اس پر اس قدر زیادہ کی ہے۔

"ان وفد ثقیف انوا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نضرب قبة فی المسجد لینظروا الی صلٰوة المسلمین فقیل له یا رسول اللّٰہ انزلتهم فی المسجد وهم مشرکون؟ فقال ان الارض لا تنجس انما ینجس ابن آدم"

چونکہ صاحب ہدایہ نے اس واقعہ سے جواز دخول پر استدلال کیا ہے اس لئے اس تخریج میں زیلعی نے تمام طرق حدیث جمع کر دیئے، اس وقت میرے پاس نہ نصب الرایہ ہے اور نہ حافظ عسقلانی کی درایہ، لیکن اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو عطیہ بن سفیان کی روایت میں ہے کہ:

"قدم وفد ثقیف فی رمضان فضرب لهم قبة فی المسجد"

یعنی یہ وفد رمضان میں آیا تھا پس اُن کے قیام کے لئے آنحضرت صلعم نے ایک خیمہ مسجد نبوی میں نصب کرا دیا۔

اس واقعہ میں متعدد امور قابل ذکر ہیں۔

اولاً ——— جب یہ وفد آیا تو مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت سے درخواست کی کہ مجھے ان کے ٹھہرانے اور خدمت کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

واقعہ وفد ثقیف

اگر یہ کہا جائے کہ اس واقعہ سے صرف اہلِ کتاب کے لئے جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ غیر اہلِ کتاب غیر مسلموں کے لئے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ فتح مکّہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آنحضرت صلعم نے ان کو نہ صرف مسجد میں آنے دیا بلکہ بحیثیت مہمان کے مسجد میں ٹھہرایا اور چند گھنٹوں کی شرکت مجالس اور کئی دن کے متصل قیام میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اس وقت بھی بعض لوگوں کو اس پر وہی شبہ ہوا تھا جو آج لوگوں کو ہو رہا ہے۔ اور دنیا میں سمجھ کی طرح ناسمجھی کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا۔ انزلھم فی المسجد وھم مشرکون؟

آپؐ ان کو مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں"؟

آپؐ نے فرمایا :-

ان الارض لا تنجس "

زمین انسانوں کے مس و قیام سے ناپاک نہیں جاتی "

اور مسجد زمین و مکان کے ایک مخصوص ٹکڑے ہی کا نام ہے یعنی نجاست دل کی نجاست اور گندگی ہر اعتقاد کی گندگی ہے ابوداؤد اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت ہے :

" ان وفد ثقیف لما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزلھم فی المسجد لیکون ارق لقلوبھم "

کا ظلم وجور اس حد تک پہنچ گیا کہ آنحضرت کے لئے مکہ میں رہنا بھی دشوار ہو گیا تو آپ نے طائف کا سفر کیا کہ شاید باہر کے قبائل حق کا ساتھ دیں لیکن جب قبیلۂ ثقیف کی بستی میں پہنچے تو اسی عبد یا لیل اور اس کے دونوں بھائیوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ طائف میں دم لینے کی مہلت نہ دی۔ دعوت حق کا یہ جواب ملا کہ

"اما وجد اللہ احداً یرسلہ غیرک"

کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا جس کو پیغمبر بنا کر بھیجتا؟

جب آپ واپس ہوئے تو بستی کے لڑکوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ تضحیک و تحقیر کریں۔ انہوں نے آپ پر کیچڑ پھینکا۔ اس جسم مقدس کو کو جس کے بقا پر تمام کرۂ ارضی کی سعادت و ہدایت کی بقا موقوف تھی پتھروں کی بوچھاڑ سے زخمی کر دیا۔ پیشانی مبارک کا خون بہہ کر پائے مبارک کو رنگین کر رہا تھا اور یہ دعا وردِ زبان تھی۔

"اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلت حیلتی و
ھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین!"

یعنی :-

بجرمِ عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

اس کے بعد جنگ ہوازن و ثقیف میں جو واقعات پیش آئے کتب سیرۃ کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ جنگ ہوازن کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی مدینہ

آپ نے فرمایا۔ ان کی خدمت و تکریم سے نہیں روکتا۔ لیکن ایسی جگہ ٹھہراؤ! جہاں سے وہ قرآن سن سکیں۔

" فقال لا امنعك ان تكريم قولك ولكن انزلهم حيث يسمعون القرآن "

(زاد المعاد)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو مسجد میں ٹھہرانا کسی مجبوری و عذر کی بنا پر نہ تھا بلکہ قصداً ٹھہرایا گیا۔ اور اس کی ایک خاص علت تھی یعنی سماع قرآن و نظارہ صلوٰۃ کی سیاقی بیانہ۔

ثانیاً یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۹ھ ہجری میں آیا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ

" إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا "

کا پورا پورا ظہور ہو چکا ہے، پس یہ وقت غلبہ و شوکت کا تھا اور خود وفد عاجزانہ اور مفتوحانہ آرہا تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ عجز و درماندگی کی وجہ سے بہ نظر تالیف قلب و اعزاز و تکریم مخالف ان کو ٹھہرایا ہو

ثالثاً معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام ارکان مشرک تھے، ــــ اور مشرک بھی کیسے؟ اشد شدید اور بغض اسلام و صاحب اسلام اور تصلب فی الشرک والجاہلیۃ میں مشہور و معروف اس وفد کا سردار ابن عبد یا لیل تھا اور اس شخص کا یہ حال ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے بعد جب قریش مکہ

کی دیبی کو منہدم کردیں۔ حضرت خالدؓ نے مندر کی زمین تک کھود ڈالی۔ مگر یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ دیبی کی بے حرمتی کا وبال آئے گا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ سخت بت پرست اور اسلام کی عداوت میں کسی درجہ سنگ دل تھے؟ با ایں ہمہ آنحضرت نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قلعہ طائف کو مسلمانوں کی منجنیق چالیس دن تک سنگ باری کر کے بھی فتح نہ کر سکی۔ اس کے بسنے والوں کے دلوں کو آنحضرت صلعم کے خلق عظیم اسلام کی مسامحت، مسجد کے قیام اور اسلامی عبادت کے نظارہ نے چند گھنٹوں کے اندر فتح کر لیا لوہے کی تلوار کو سر پر رد کا جا سکتا ہے۔ لیکن محبت کی تلوار کے لئے کوئی سپر نہیں۔ ؎

درسِ وفا اگر بود زمزمۂ محبتے

محبت بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

مسلم میں بروایت حضرت عائشہ رضؓ ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا۔

کل اتی علیك یوم کان اشد یوم اُحد ؟

جنگ احد والے دن سے بھی بڑھ کر کوئی مصیبت و شدت کا دن آپ پر آیا ہے ؟

فرمایا ہاں !

"یوم العقبہ اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل بن عبد کلال فلم یجبنی الی ما ئلت "

آیا اور مشرف بہ اسلام ہوا، مسلمانوں ہونے کے بعد تبلیغ حق کے عشق نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آنحضرت روکتے رہے اور وہ اپنی قوم کی محبت کے اعتماد پر طائف واپس ہوگیا اور دعوۃ اسلام شروع کردی، لیکن ثقیف نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ایک دن عین حالت نماز میں شہید کردیا، یہ حال تو اسلام کی عداوت کا تھا شرک وجاہلیت کے جمود و تصلب کا یہ حال تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد یہ وفد آیا اور آنحضرت کے خلق عظیم کے اسلحۂ محبّت سے مسخر ہوکر اسلام لانے کے لئے آمادہ ہوگیا، تو گو اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا، لیکن پھر بھی بت پرستی اور جاہلیت کا کانٹا دل سے نہیں نکلتا تھا، چاہتے تھے کہ اپنی شرطیں منوا کر مسلمان ہوں، پہلے کہا کہ نماز کی پابندی سے ہم کو مستثنیٰ کردیجئے۔ فرمایا

"لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع"

"وہ دین ہی کیا جس میں خدا کے سامنے جھکنے والی پیشانی نہ ہو"

پھر کہا اچھا زنا کے بغیر تو چارہ نہیں، ہماری قوم کے لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں ــــ فرمایا:۔ "کان فاحشۃ وساء سبیلا"

پھر کہا سود چھوڑنا تو مشکل ہے، شراب تو ہماری غذا ہے ــــ فرمایا:۔

"اتقوا اللّٰہ وذروا مابقی من الربا اور رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ"

جب ان ساری شرطوں میں سے کوئی نہ چلی تو آخر میں کہا کہ اچھا ساری باتیں منظور مگر رب کو ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں ڈھا سکتے۔ ربّہ یعنی دیبی، رب کا مونث، اس بات کو آنحضرت نے منظور کرلیا اور خالد بن ولیدؓ کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا کہ طائف

ثقیف کے لئے اللہ سے التجا کیجئے۔

فرمایا ـــــ

"اللھم ثقیفا وائت ھم"

خدایا ثقیف کے دلوں کو حق کے لئے کھول دے۔

چنانچہ وہی ہوا جن لوگوں نے پتھر پھینکے تھے خود دوڑے ہوئے آئے کہ حق کے بے پناہ تیروں سے اپنے دلوں کو دونیم کردیں۔ یہ تیران دشمنوں پر کہاں چلائے گئے تھے؟ میدانِ جنگ میں؟ نہیں خدا کی مقدس عبادت گاہ کے صحن میں۔

"فضرب لھم خیمۃ فی المسجد"

جن لوگوں نے منجنیق کے پتھروں سے اپنی دیواروں کو بچا لینے کا بندوبست کر لیا تھا، وہ ان تیروں سے اپنے دلوں کو نہ بچا سکے، عثمان بن ابی العاص راتوں کو چھپ چھپ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آتے اور قرآن سیکھتے۔ یہ تھا وہ ھدی نبوۃ اور اسوہ حسنہ رسالتہ جس نے فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ کو بھی موم بنا کر پگھلا دیا، اور اس کے مقابلہ میں آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اُن کے ہمسائے اور شریک وطن عشق و محبت کے جوش سے بے خود ہو کر ان کی مسجدوں میں خود بخود دوڑے آتے ہیں۔ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، خود کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری نمازیں پڑھیں گے۔ نماز جنازہ کی صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو تسویہ صفوف کی خدمت خود انجام دیتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے پانی دے کر نمازیوں کو وضو کرا دیتے ہیں، مسجد کے چبوترہ پر کھڑے ہو کر پکارتے ہیں۔ کہ ہم سب ایک خدا کے بندے ہیں اور ایک ہی گھرانے کے بھائی ہیں، مگر مسلمان ہیں کہ نعمت الٰہی پر سجدۂ شکر بجالانے اور

وہ دن جب میں طائف گیا اور اعانت و قبول حق کی اُمید سے اپنی دعوۃ ابن عبد یالیل کے سامنے پیش کی اور اس نے میری کچھ پرواہ نہ کی وہ دن اُحد کے دن سے بھی میرے لئے اشد تھا تن تنہا بے یار و مددگار طائف کی گھاٹیوں میں پھر رہا تھا اور ایک انسان بھی نہ تھا جو مجھ پر ہمدردی اور ترس کی نظر ڈالتا۔

آپ کے اس ارشاد سے اندازہ کرو کہ ثقیف نے آپ کے ساتھ کیسا ظالمانہ و وحشیانہ سلوک کیا تھا کہ اپنی ساری زندگی سے اُن مصائب عظیمہ میں جو دعوت الی الحق کی راہ میں پیش آئے، طائف کی گھاٹیوں والی مصیبت کو اشد فرمایا۔ اسی روایت میں ہے کہ باوجود تمام مظالم و شدائد کے آپ نے فرمایا تھا۔

"ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئاً"

اس پر بھی میں ان لوگوں کے لئے بددعا نہیں کرونگا میں نے ان میں حق کا بیج ڈال دیا ہے اور آج نہیں تو کل پھل لائے گا۔ یہ لوگ اگر بت پرستی پر مٹے ہوئے ہیں تو ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو حق کو قبول کریں گے اور اللہ کے سوا ان کی کوئی پرستش نہ ہوگی۔

غزوہ طائف میں جب قلعہ مسخر نہ ہوا اور مختلف مصالح مقتضی ہوئے کہ حصار اٹھا لیا جائے تو لوگوں نے کہا۔

"ادع اللہ علی ثقیف"

وفد ثقیف کے قیام فی المسجد کی تفصیل

وفد ثقیف کی روایات پر غور کرو۔ مسجد میں ٹھہرانے کی علت کیا بتائی گئی ؟ یہ وہ تعلیل نہیں ہے جو تعلیل باطل ہے۔

یعنی :۔ تحکم بالظن والرائے اور حصہ تعلیل بالقیاس غیر موید بالنص بلکہ یہ وہ تعلیل ہے جو خود شارع نے تبلادی۔ مغیرہ کو کہا کہ وفد کو تکریم سے نہیں روکتا لیکن

"انزلھم حیث یسمعون القرآن"

اور ابوداؤد و احمد و طبرانی کی روایت میں ہے

"لیکون ارق لقلوبھم"

اور ایک روایت میں ہے

"لکی یسمعوالقرآن ویروالناس اذصلوا" (ابن ہشام)

یعنی وفد کو مسجد میں اس لئے ٹھہرایا کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہوسکیں، قرآن کی صدائیں اُن کے کانوں میں پڑیں مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں اور خدا کی سچی اور فطری عبادت کی خوبیاں ان کے دلوں میں راہ پیدا کریں۔ اس ایک بات سے بے شمار فروعات تبلیغ اسلام اور جزئیات طریق اصلاح اقوام و امم مستنبط ہوتے ہیں جن کو نہایت تفصیل سے رسالۂ دعوت تبلیغ اسلام میں لکھ چکا ہوں جو منجملہ تالیفات قیام رانچی سے ہے از انجملہ یہ کہ اسلام کو اپنی صداقت و حقیقت کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے اور قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر قوی ضعیف کو اپنی طرف کھینچتا اور ہر طاقت کمزور پر چھا جاتی ہے

آنے والوں کو اور زیادہ اپنی طرف کھینچنے کی جگہ ناک بھوں چڑھا رہے ہیں کہ ہماری مسجد غیروں کی چھوت سے بے احترام ہو گئی، غور کرو۔ پہلے کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے؟ جب حالت میں انقلاب ہوا تو نتائج میں بھی انقلاب لازمی ہے ؎

سادت مشرقیہ و سیرت مغرب
مشتاق ہیں مشرق و مغرب

مسلمانوں کا طرزِ عمل اور اُسکے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ آج اشاعت اسلام میں سب سے بڑی روک مسلمانوں کا یہی طرزِ عمل ہے اور یہ نتیجہ ہے قرآن سنت کے علم وعمل حق سے بُعد اور ہدی نبوت سے جہل وغفلت کا، یا بالفاظ مختصر علماءِ حق راسخین فی العلم کے فقدان کا۔ افسوس خود مسلمانوں کو اسلام کی قوت وصداقت پر بھروسہ نہ رہا، نادان سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے اگر ہم ملیں گے تو ہم ان میں جذب ہو جائیں گے، ان کو اپنے میں جذب نہیں کر سکیں گے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس وہم فاسد سے بڑھ کر اور کوئی خیال اسلام کے لئے مایہ صد توہین نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمانوں کے پاس لوہا نہیں بلکہ مقناطیس ہے تو مقناطیس اور لوہے کا جب آمنا سامنا ہوگا، نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کھنچے گا، یہ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں اللہ اور اس کے دین حق کی نسبت سوءِ ظن الجاہلیت، اور ہر معاملے میں خود اپنے نفس پر

بحکم وشھدوا علی انفسھم شہادت بطلان وضعف وھلاکت؟ فالی اللہ المشتکی ثم الی اللہ المشتکی!

اور یہی معنی ہیں اس آیۃ وامثالہا کے کہ :-

"اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف
تعلمون من تکون لہ عاقبۃ الدار ؟

اور یہ کہ :-

انہ لا یفلح الظالمون اور ان اللّٰہ لا
یہدی القوم الفاسقین، وامثال ھذا
فی الکتاب والسنۃ

اسی اصل الاصول کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے اپنے عقائد، اعمال، امکنہ اور مراسم و اجتماعات میں دوسرے مذہبوں کی طرح راز اور مخفی بات نہیں رکھی اس کی ساری باتیں دوپہر کے سورج کی طرح کھلی اور چمکیلی ہیں۔ اس کی عبادت گاہوں میں کوئی بھید نہیں جس کے کھل جانے کا اس کو ڈر ہو، دل اور روح کو چھوڑ کر اس نے زمین اور مٹی کو کوئی ایسی پاکی اور ستھرائی نہیں بنائی ہے، جو جسم و وجود اور اس کے سایہ کی چھوت سے ناپاک ہو جائے وہ ایک بے باک طاقت اور کامل حسن کی طرح سب کو دعوت دیتا اور بلاتا ہے کہ آئیں دیکھیں اور مفتون ہوں۔ اس کی صداقت کی دعوت اس کی ہر چیز میں ہے۔ صرف چند چنے ہوئے واعظوں کی بولیوں ہی میں نہیں، ایک مسلمان کا وجود یکسر دعوت و وعظ ہے۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، ایک مسجد اور اس کی سادہ اور بے نقش و اشکال دیواریں مجسم وعظ و حق ہیں۔ جبکہ امام قرآن پڑھ رہا ہو، اس کے نمازیوں کی صفوں کے نظارۂ وحدت سے بڑھ کر کوئی خطبہ تبلیغ اور درس دلائل نہیں، جبکہ ایک ہی خدا کے بندے بنیان مرصوص کی طرح کاندھے سے کاندھا

قوت میں فاعلیت ہے اور کمزوری میں انفعال اور قوت و ضعف میں اعتبار کیفیت کا ہے نہ کہ مجرد کمیت کا۔ اس قانون جذب و انجذاب و فعل و انفعال و جلب و انجلاب پر کارخانۂ وجود ہستی کے تمام حوادث و اعمال کا دارومدار ہے، اور یہ قانون مادہ و جسم کی طرح تمام معقولات اور معنویات میں بھی ہوبہو وہی جاری و ساری ہے۔ پس اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ قوت ہے طاقت ہے، اصلح ہے۔ امثل ہے، اس لئے جب کبھی اسلام اور غیر اسلام میں قریب ہوگا تو اسلام اپنے ماسوی کو کھینچے گا اور اپنے میں جذب کرے گا یہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام کو غیر اسلام اپنے میں جذب کرے، اگر ایسا ہو، تو قانون الٰہی باطل ہو جائے، اور اگر یہ قانون باطل ہو تو تمام نظام درہم برہم ہو جائے یہی معنی نہیں اس آیۂ کریمہ کے کہ

"ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السماوات والارض"

اور یہی معنی ہیں۔

"لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ——

کے جس کی تفسیر میں لوگوں کو کیا کیا حیرانیاں نہیں ہوئیں حالانکہ بات بالکل صاف اور قدرتی تھی، اس عالم میں بقا صرف اصلح کے لئے ہے اور بالآخر تمام اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا ہے، والعاقبۃ للمتقین اور فیصلہ حق و باطل کی یہی سب سے بڑی شہادت ہے۔

کر سکتا ہے، اس کو صرف خدا کا سچا ایمان اور دینی کامل عشق پاک کر دے سکتا ہے۔ سو انسانوں پر اس کی راہیں بند نہ کرو۔

اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے۔

جہاں تک مکان اور عمارت کا تعلق ہے اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے اور کوئی نہیں پس اگر اسلام غیروں کو قبول کرنا چاہتا ہے تو مسجد ہی میں قبول کرنا پڑے گا۔ آج اگر ہمارے ہندو بھائی خود اپنی محبت اور پیار سے ہماری مسجدوں آتے ہیں تو یہ وہ چیز ہے جس کی خود ہم کو آرزو کرنی تھی، اور جس کو اول دن ہی سے شروع ہو جانا تھا۔ کاش اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا نو۹ صدیوں سے مستقل قیام بے اثر ثابت نہ ہوتا۔ اور آج ہمارے ملک کے سارے تفرقے مٹ گئے ہوتے۔ میں جب رانچی میں نیا نیا آیا اور جامع مسجد میں جمعہ کے خطبوں کا سلسلہ شروع ہوا تو شہر کے بہت سے تعلیم یافتہ ہندوؤں اور وکلاء وغیرہ کو تقریر سننے کا شوق ہوا اور انہوں نے کہلایا کہ کوئی ایسی صورت اختیار کیجئے کہ ہم بھی تقریر سن سکیں، میں نے جواب دیا کہ نظر بندی کی قیود کی وجہ سے عام مجالس کا انعقاد آپ لوگوں کے لئے موجب مشکلات ہوگا، اگر شوق ہے تو مسجد میں کیوں نہیں آتے ؟ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ مسجد میں عین جمعہ کے دن ان کے مسجد میں آنے اور ایک مناسب بیٹھنے کا انتظام کر دیا، اس کے بعد انجمن اسلامیہ قائم ہوئی اور اس کی تمام مجالس بھی مسجد ہی میں منعقد ہوتی رہیں، ان میں بھی تمام ہندو شریک ہوتے رہے۔ صرف اتنی سی بات سے جو نتائج حسنہ پیدا ہوئے وہ شاید برسوں کے

جوڑے کھڑے ہوں، اور خدا کی قائم کی ہوئی انسانی اخوت کو بحکم

یشد بعضہ بعضاً کتشبیک الاصابع

دکھلا رہے ہوں، پس وہ انسانوں کو اپنی ہر بات دکھلانا اور ہر مقام پر بلانا اور ہر راہ میں اپنے سے جوڑنا، اور ہر شکل میں اپنے سے قریب کرنا چاہتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ جو اس کے قریب ہوگا، بالآخر اس میں جذب ہو جائے گا۔ قریب و اتحاد میں اس کے لئے خوف نہیں ہے کہ وہ غیروں سے بھاگے اور الگ رہے بلکہ غیروں کے لئے انجذاب و انفعال ہے جس کے لئے ان کو ڈرنا اور بھاگنا چاہیئے، اس کا سارا رونا تو یہی ہے کہ لوگ اس کی سنتے نہیں اس کو دیکھتے نہیں، اس میں آتے نہیں۔ اس کی طرف گردن موڑتے نہیں۔

تری‌ٰ یٰہم یصدون وہم

مستکبرون،

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی طرف پیار اور اخلاص سے بڑھیں اور وہ ان پر اپنا گھر بند کر دے کہ تمہارے اندر آنے سے میرے گھر کی تقدیس کو بٹہ لگ جائے گا؟ مسجدوں کا اصلی احترام یہی ہے کہ اس میں انسانوں کی بھلائی کے لئے انسانوں کا اجتماع ہو، اسلام نوع انسانی کی عظمت و احترام کے لئے آیا ہے، نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لئے، پس وہ کسی انسانوں کو بہ حیثیت ایک انسان نجس نہیں قرار دیتا جس کی چھوت سے مٹی اور اینٹ ناپاک ہو جائے، نجاست انسانوں کے جسم میں ہوتی تو دریا کا پانی اس کو دھو دیتا اور انسان کا بنایا ہوا کپڑا پونچھ دیتا، مگر افسوس وہ دل اور عمل کی گندگی ہے جس پر نہ تو پانی بہایا جا سکتا ہے اور نہ کوئی ہاتھ صاف

کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک وہ مسجد ہی میں رہا، تیسرے دن آنحضرت صلعم نے بلا کسی شرط کے رہا کر دیا۔

امام بخاریؒ اسی روایت کو زیادہ تفصیل وطویل سے کتاب المغازی میں بھی لائے ہیں۔

وفیہ انہ صلعم علی ثمامہ ثلاث مرات وھو مربوط فی المسجد وانما امر بالملاقہ فی الیوم الثالث وکذا اخرجہ مسلم وغیرہ وصرح ابن اسحاق فی المغازی من ھذا الوجہ ان النبی صلعم ھوا الذی امرھم بربط قالہ ابن حجر فی الفتح

(جلد ا صفحہ ۴۶۲)

مگر اس خلق عظیم کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ آزاد ہونے کے بعد خود واپس آگیا کہ مسجد کے ستون کی جگہ اب دین حق کے ایمان واعتقاد کی زنجیروں سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دیا جائے! امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں ایک خاص باب اس عنوان کا ترجمہ سے درج کیا ہے۔ "الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر فی المسجد وکان الشریح یامر الغریم ان یحبس الی ساریہ المسجد"

اور اس کے نیچے اسی واقعہ سے بروایت حضرت ابوہریرہؓ استدلال کرتے ہیں:-

وعظ و تبلیغ اور آج کل کے مجادلانہ مناظرات و مباحث سے کبھی پیدا نہ ہوتے، اور ان کا اندازہ ابھی باہر کے لوگ نہیں کر سکتے جب تک ایک بڑی طولانی سرگذشت نہ سنائی جائے۔

خدا کی ساری زمین اسلام کیلئے مسجد ہے

منجملہ خصائص خمسۂ اسلام کے یہ ہیں کہ :-

"جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً" (بخاری)

خدا کی ساری زمین اسلام کے لئے مسجد ہے : ع

ہر جا کنیم سجدہ، بہ آں آستاں رسد

جس اسلام کی اس وسیع اور غیر محدود عبادت گاہ کو ہزاروں قوموں اور مذہبوں کا رہنا اور بسنا ناپاک نہ کر سکا اس کی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی عبادت گاہ کو غیر مسلموں کا داخل ہونا کب بے احترام کر سکتا ہے؟

ثمامہ بن آثال کا واقعہ

اور منجملہ ادلہ جواز دخول مشرک فی المسجد، کے ثمامہ بن آثال کا واقعہ ہے جو صحیحین میں بہ تفصیل موجود ہے اور امام بخاری نے اپنے راب فقاہت کے مطابق مختلف کتب و ابواب میں اس سے متعدد مسائل مہمہ کا استنباط کیا ہے۔ ثمامہ نجد کا رئیس تھا، ہجرت کے پانچویں سال آنحضرت صلعم نے چند سوار نجد کی جانب بھیجے وہ ثمامہ کو گرفتار کر لائے اور مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تمام روایات کے

"ولا يمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف
المسلم ولا يتوقف جواز دخوله على اذن
مسلم عندنا ولو كان المسجد الحرام" (تنقیح احکام الذمی)

یعنی ذمی کا مسجد میں داخلہ ممنوع نہیں ہے اگرچہ جنبی ہو اور حنیفہؒ کے نزدیک مسلمان کی اجازت بھی ضروری نہیں اگرچہ مسجد الحرام ہو۔ ہدایہ میں ہے۔

"ولا باس بان يدخل اهل الذمة المسجد
الحرام (الی ان قال)"

"ولنا ما روى ان النبى صلعم انزل وفد ثقيف
فى مسجده وهم كفار ولان الخبث فى اعتقادهم
فلا يودى الى تلويث المسجد

کتاب الکراہیۃ: مسائل متفرقہ)

یعنی ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں اگر ذمی مسجد الحرام میں داخل ہوں، برخلاف امام شافعیؒ کے عام مساجد میں دخول کو جائز قرار دینے میں مگر حرام میں نہیں، اور دلیل ہماری وفد ثقیف کا مسجد میں نزول ہے، حالانکہ وہ کفار ہے اور اس لئے کہ مشرک کا خبث اس کے اعتقاد کا خبث ہے، جسم کا نہیں جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو، قاضی زادہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"قال بعض المتاخرين ظاهره ان هذا دليل
آخر ولا وجه له لحق التعبير حرف التعليل
ليكون اشارة الى دفع ان يقال كيف

" بعث النبی صلعم خیلا قبل النجد فجاءت برجل من بنی حنیفہ یقال لہ ثمامۃ بن اثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد " الخ ،

پس اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ مشرک کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ثمامہ کو تین دن تک مسجد میں کیوں اسیر رکھا جاتا ؟ خود آنحضرت صلعم اس کی اسیری کو دوسری جگہ منتقل فرما دیتے ، چنانچہ امام بخاری رح نے جواز دخول مشرک پر اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے اور یہ اس فقیہ الامۃ کے کمال دقت نظر و استنباط اور منتہا مرتبہ اجتہاد و فقاہت فی الدین کے شواہد میں سے ہے کتاب الصلوات میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم ہے۔

" دخول المشرک فی المسجد "

یعنی مشرک کا مسجد میں داخل ہونا ، اور اس میں اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے اور معلوم ہے کہ فقہ بخاری کے تراجم الابواب میں ہے۔

عامہ مجتہدین اور احناف کی رائیں :

چنانچہ انہی ادلہ ستینہ کی بنا پر ائمہ مجتہدین و فقہا و امصار اس طرف گئے ہیں کہ غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا مسلمانوں کے اذن سے جائز ہے اور علی الخصوص حضرت امام ابوحنیفہ رح کا مذہب تو اس بارے میں متعلمین ہدایہ تک کو معلوم ہے ، ان کے نزدیک مطلقاً بلا قید و استثنا جائز ہے ، اذن کی بھی شرط نہیں ، اشباہ والنظائر میں ہے۔

قاضی ابن رشید، ہدایہ میں لکھتے ہیں: "وجوزوا (الحنفیۃ) مطلقاً یعنی حنیفہ کے نزدیک مطلقاً ذمیوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ (ہدایۃ المجتہد شہر میں ہے اور میں مور آبادی میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں، اس لئے صفحہ کا حوالہ نہیں دے سکتا کتاب الکراہیۃ دوسری جلد میں ہوگا)۔

تشریح آیۂ کریمہ انما المشرکون نجس - مذہب احناف اور مسلمانوں کا عمل مستمر:-

باقی رہی آیۃ قرآنی کہ:-

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا

تو اس کے متعلق چند امور غور طلب ہیں:-

اولاً یہ حکم خاص مسجد حرام (مکہ) کی نسبت ہے۔ یا تمام مساجد کے لئے؟ تو ائمہ اربعہ نے اتفاق کیا کہ خاص مسجد حرام کی نسبت ہے، اور ظاہر آیۃ کا یہی منطوق ہے۔

ثانیاً نجاست کی تحقیق کہ نجاست سے یہاں مراد ظاہری ہے یا معنوی؟ تو تمام ائمہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نجاست سے مراد نجاست معنوی یعنی اعتقاد و شرک کی نجاست قلبی ہے نہ کہ نجاست جسمی)۔ اور دلائل کتاب و سنت اس پر ناطق و شاہد اور احتیاج بیان و تفصیل ہیں:-

فذھب الجمھور من السلف والخلف ومنھم اھل المذاھب الاربعۃ الی ان الکافر لیس بنجس الذات، لان اللہ

انزلهم فی مسجده وقد ومنهم الله بکو نهم اغباسا ؟ اقوال لیس ذاک لشئی اذہ شک فی صحتہ ان یکون ھذا دلیلا اخر عقلیا لنا، فان الجنت اذ کان فی اعشارھم لا یودی الی تلویث المسجد فلا یکون فی دخو لھم المسجد باس (الی ان قال) کما حکی انہ علیہ السلام لما انزلھم فی مسجدہ وضرب لھم خیمۃ قال الصحابۃ قوم انجاس فقال علیہ السلام لیس علی الارض من انجا سھم وانما انجاسھم علی انفسھم"

تکملہ فتح القدیر جلد ۸ مصری (۱۴۷)

ت ہدایہ کا اشکال اور شارح کا جواب اور ادلہ شافعیہ کی تحقیق آگے آئے گی رح نے نزول وفد ثقیف پر صحابہ کے اعتراض اور اس کے جواب والی روایت الفاظ میں نقل کی ہے گو وہ الفاظ نہیں، مگر معنی صحیح ہے، اور اصلی روایات گذر چکیں، نقل متن اور حفظ اسناد کا یہ وہ تسائل ہے جو جا بجا خود صاحب نے کیا ہے اور نہ متاخرین فقہا حنفیہ میں عینی اور ابن ہمام کے سوا سب کرتے ہیں۔

اس طرح درمختار میں ہے۔

" جاز دخول الذمی مسجدا ً ولو جنبا ً"

(باب الکراہیۃ)

"الی علی منهم ان یدخلوها مستولین وعلی اهل الاسلام مستعلین وایضا النهی تکوینی کما فی"

اور شامی میں ہے:

"وحاصله انه خبر النهی فی صورة النهی"

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ حنیفہ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ غیر مسلموں کو مسجد حرام میں غلبہ وتمکین کے ساتھ داخل ہونے دیں۔ لیکن اگر کسی خاص عارضی ضرورت سے کسی غیر مسلم کو آنے دیا جائے، مثلاً تعمیر عمارت یا تجارت یا غیر مسلم حکومتوں کے غیر مسلم سفراء کو جائز ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف وخلف امت اور تعامل مستمرہ اہل اسلام اس مذہب کے خلاف ہے اور عملاً اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ آیہ کریمہ

فلا یقربوا المسجد الحرام الخ

اپنے نص منع دخول میں عام ومطلق اور ظاہر وغیر ماؤل ہے۔ یعنی کسی حال میں بھی کوئی غیر مسلم مسجد حرام کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس مقام، اور اس مقام کے ایسے اطراف وحوالی کو جہاں کا داخلہ حرم کے داخلہ تک منجر ہو سکتا ہے ہمیشہ صرف اہل اسلام ہی کے لئے مخصوص ومحفوظ رکھیں۔ حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"فلا یجوز تمکین کافر من دخوله بحال فان دخله فی خفیة وجب اخراجه، فان مات ودفن فیه ینبش واخراج مالم یتغیر۔ هذا مذهب الشافعی وجوز ابو حنیفة وخالفهم احرام"

(مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۳۴ جلد ۲)

احل طعامهم، وثبت عن النبی صلعم فی ذلک من فعله وقوله وتقریرہ ما یفید عدم نجاسة ذواتهم، فا اکل فی آنیتهم وشرب منها وتوضأ فیها، وانزلهم فی مسجد وغیر ذلک من الادلة النقلیة والعقلیة ثالثاً

—— فلا یقربوا المسجد الحرام الخ

سے مقصود کیا ہے؟ تو حنیفہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ نہی تکوینی ہے۔ تکلیفی نہیں، وہ اس کو محمول کرتے ہیں۔ کفار کے ایسے قریب پر جو غلبہ و استیلاء کے ساتھ ہو یعنی آئندہ کفار کو مسجد حرام میں پاؤں جمانے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ "قریب" کا لفظ منع استیلاء و تمکین کے لئے کمال ضابطہ سے ہے۔

وانما نهوا عن الاقتراب للمبالغة فی المنع من دخول الحرام ونهی المشرکین ان یقربوا راجع الی نهی المسلمین عن تمکینهم من ذلک" (تفسیر ابو السعود حنفی)

در ہدایہ میں ہے:۔

"والآیة محمولة علی الحضور استیلاءً واستیلاءً"

(باب الکراہیۃ)۔

اور حاشیہ عنایہ سعدی چلپی میں ہے:۔

غیر مسلم تاجر یا معمار و صناع یا طبیب و سفیر کی سخت ضرورت کے مواقع میں بھی حدود حرم کے اندر جانے کا موقع دیا گیا ہو، بلکہ ایک سے زیادہ واقعات اس کے خلاف تاریخ عہد عثمانیہ میں موجود ہیں۔

اصل یہ ہے کہ دین حق کے قیام اور امتِ مسلمہ کے بقا کے لئے ضروری تھا کہ جس طرح تعلیم و احکام کو ہمیشہ کے لئے اوراق و صحف میں محفوظ کر دیا گیا (یعنی کتاب و سنت بحکم "اوتیت الکتاب ومثلہ معہ") اسی طرح باعتبار مکان کے بھی ایک مرکزی مقام ہمیشہ کے لئے ایسا مقرر کر دیا جاتا ہے جو صرف حق و پرستاران حق کے لئے مخصوص ہوتا اور وہاں کی فضاء ہدایت کی پاکی، شرک و فساد کی ناپاکی سے کبھی مکدر اور ملوث نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار مصالح و حکم کی بنا پر (جو اپنے مقام پر معلوم و منضبط ہیں) سرزمین حجاز کو اس غرض سے منتخب فرمایا اور یہی ناف زمین دنیا کی آخری و باقی ہدایت و سعادت کے لئے ایک مرکزی سرچشمہ و درسگاہ کی حیثیت سے قائم کی گئی۔

ذالک تقدیر العزیز العلیم، پس ضرور تھا کہ اس کو صرف اسلام ہی کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تاکہ کرۂ ارضی کے سخت سے سخت عہد فساد میں بھی ایک مرکز و منبع ہدایت ہمیشہ قائم و محفوظ رہے، درخت کی جڑ اگر سلامت رہے تو ٹہنیوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ ویران نہیں ہو سکتا، یہی معنی ہیں اس آیۂ کریمہ کے کہ:۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ اور وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا

اور چونکہ یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس میں کمال مبالغہ و اہتمام نہ کیا

یعنی کسی حال میں جائز نہیں کہ غیر مسلم کو حدودِ حرم میں داخل ہونے دیا جائے اور اگر کوئی غیر مسلم نقب چلا جائے اس کا اخراج واجب ہے اور اگر وہ مکہ میں مر جائے اور دفن بھی ہو جائے تو چاہیے کہ قبر کھود دی جائے لاش نکال دی جائے اگر متغیر نہیں ہوئی ہے۔ انتہیٰ، مویداس مذہب جمہور کی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور حضرت عمرؓ کا باتفاق واجماع جمیع صحابہ واضح وصریح عمل ہے (کما سیاتی)

اور یہ کہنا کہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہیں، اس بارے میں بالکل غیر مفید ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نہی اقتراب میں کمال مبالغہ منع دخول کے لئے ہے، اور جب منع دخول میں مبالغہ ہوا تو ظاہر ہے کہ قرب کی ہر صورت وحالت اس نہی میں داخل ہوگی۔ اور جب خود شریعت نے اس بارے میں مبالغہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عملاً کمال وشدت منع اور مبالغہ در منع اقتراب مطلوب شارع ہے عربی میں کہیں گے۔

"لا اُرِیَنَّکَ ھاھُنا"

تو اس سے بھی سمجھا جائے گا کہ کسی حال میں بھی تم کو یہاں ہم نہیں دیکھ سکتے اردو میں کہیں گے۔

"تم اس جگہ کے پاس بھی نہ پھٹکو"۔

یعنی کسی حال میں تمہارا یہاں آنا ہمیں گوارا نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ جمہور ہی کا مذہب اس بارے میں حق وقوی ہے، اور اسی لئے تیرہ سو برس سے تمام اہل اسلام قرناً بعد قرن اسی پر عمل کر رہے ہیں۔ عثمانی حکومت کا سرکاری مذہب حنفی ہے، مگر معلوم ہے کہ انہوں نے بھی ایک دن کے لئے امام صاحب کے اس مذہب پر عمل نہیں کیا اور ان کے تمام دورِ حکومت میں کوئی مثال اس کی نہیں مل سکتی کہ کسی

سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے مرض الموت میں آخری وصیت جو نکلی وہ یہ تھی:۔

"اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب
(صحیحین عن ابن عباس وعائشہ وابی ھریرۃؓ)

اور:۔

"آخر ما تکلم بہ النبی صلعم لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان وفی روایۃ لا یجمع دینان فی جزیرۃ العرب"

اور اسی وصیت کی تعمیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور یمن کے یہود و نصاریٰ کو عرب سے خارج کر دیا، اور بلاد شام و سواد عراق میں آباد کرایا۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ابلاء کردہ اہل کتاب کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اور یمن کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

ھم اھل نجران"

اور یہ جو کچھ کیا۔ تمام صحابہ کے مشورہ و اتفاق سے، اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح و کامل معنوں میں ثابت ہو گیا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اور حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کی شرارتوں اور واقعہ عبداللہ بن عمرؓ سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تو معلوم ہے کہ تعمیل وصیت کے لئے ضرور تھا کہ تنفیذ وصیت پر تمکین حاصل ہو۔ حضرت ابو بکرؓ کو اہل ردت کے قتال وغیرہ مہمات نے مہلت نہ دی اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوتے ہی ایران و عراق اور

جائے کیونکہ طبائع انسانی تساہل پذیر دجہ جو اس لئے ناگزیر ہوا کہ نہ صرف غیر مسلموں کے قبضہ و تمکین کو بلکہ سرے سے ان کے قریب وجود ہی کو ہمیشہ کے لئے روک دیا جائے کیونکہ اگر آمد و رفت کا دروازہ کھلا رہے گا تو خصوصیت اسلام و اہل اسلام کی اہمیت باقی نہ رہے گی طبیعتیں اس کی متحمل اور خوگر ہو جائیں گی کہ غیر مسلموں کو بھی حرم میں مسلمانوں کی طرح موجود دیکھیں اور ایسا ہوا تو کل کو قبضہ و استیلا کا دروازہ بھی کھل جائے گا اور طبیعتیں اس کو بھی گوارا کر لیں گی' اور معلوم ہے کہ منجملہ مہمات اصل شریعت کے ایک اصل عظیم یہ ہے کہ بلکہ بسا اوقات جو اہتمام دوسائل و ذرائع کے سدباب میں بھی ملحوظ رہتا ہے۔ شریعت کے تمام احکام اور شارع کے تمام اعمال میں اس کے اشباہ و نظائر بکثرت موجود ہیں' اور یہ منجملہ خصائص دین آخری کے ہے کہ صرف برائیوں ہی کو نہیں روکا بلکہ ان راہوں کو بھی بند کر دیا جو برائیوں تک پہنچا سکتی تھیں' پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ منع دخول غیر مسلم بلا تمکین و استیلاء فقہا کی اصطلاح میں لذاتہ نہیں ہے بلکہ لغیرہ ہے لیکن اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شریعت صرف فعالہ ہی کو نہیں روکنا چاہتی بلکہ ذرائع و نعالہ کو بھی روک دیتی ہے۔

غرضیکہ اس بارے میں حنفیہ کے مذہب لغایت ضعیف ہے اور قوی و مفتی یہ وہی ہے جو آئمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل ہونے دینا کسی حال اور کسی شکل میں بھی جائز نہیں اور اسی پر تیرہ سو برس سے مسلمانوں کا عمل ہے گذشتہ ازاں ظاہر نص بھی مطلقاً منع پر ناطق ہے اور اصول میں طے پا چکا ہے کہ منطوق مفہوم پر مقدم ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نص سنت اور عمل صحابہ

لئے محرک ہوا، لیکن اصلی علت یہ نہیں ہوسکتی۔ بالفرض اگر تمام یہود خیبر بغاوت کے لئے آمادہ بھی ہو گئے تھے، تو جلاوطن کر دینا کب مقتضا عدل فاروقی ہوسکتا ہے؟ کیا حضرت عمرؓ کی وہ حکومت جس نے تخت کسریٰ کو ہمیشہ کے لئے الٹ دیا اور مصر کی رومانی حکومت کا چند ہفتوں کے اندر خاتمہ کر دیا، یہود خیبر کی سیاست و تنبیہ سے عاجز تھی؟ بہرحال حضرت عمرؓ نے باتفاق جمیع صحابہ جو کچھ کیا وہ دراصل اسی وصیت نبوی کی تعمیل تھی کہ

"اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب"

اور جن لوگوں نے حسن و قبح اشیاء کا معیار یورپ کے نام نہاد تہذیب و تمدن کو قرار نہیں دیا ہے، بلکہ حقیقت اور عقل صحیح و قیاس صالح کو، تو ان کو اس توجیہہ و تلمیع کی کوئی ضرورت نہیں۔ سورۂ براۃ کی تفسیر میں اس مسئلہ کو بہ تفصیل لکھ چکا ہوں اور اس کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ یہ حکم شریعت مقتضاء عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اور کسی تاویل رائے و قیاس کی نام سے پیش کی جائے خواہ فلسفیانہ عجمی نقاہت کے نام سے۔

کیا تیرہ سو برس کا تجربہ، اور صدیوں کے وقوعی نتائج و حوادث اس حکم قرآنی اور وصیت نبوی کی تفسیر کے لئے کافی نہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بے شمار مقامات ملکہ بڑے بڑے براعظموں اور اقلیموں پر غیروں کے قبضہ کی بنیاد استیلاء و تسلط سے نہیں بلکہ قیام و قرب، و آمد و رفت سے پڑی؟ پہلے دروازہ کھلا، قیام و سیاحت کا پھر تجارت کا، اور اس کے بعد رفتہ رفتہ تاجروں، سیاحوں، پیشہ وروں محکومانہ متوطنوں نے حاکم و قاہر کی صورت اختیار کر لی۔ مصر میں پیشہ و صناعت کے نام سے

شام کے مہمات عسکریہ میں مشغول ہو گئے، جب یہود خیبر کی شرارتوں نے خود مناسب موقع پیدا کر دیا، تو معاملہ انجام پایا، اور جس طرح مہمات احکام و شرائع شارع کے عہد میں بتدریج تکمیل کو پہنچے نہ کہ

بغتۃ ودفعۃً واحدۃ،

اسی طرح ضروری تھا کہ مہمات ملکی واحکام متعلق تدابیر یا سیاسی شارع کے بعد عہد خلفاء راشدین میں بتدریج تکمیل کو پہنچیں، لیکن اس کے بعد کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ محض رائے و تخمین کی بنا پر نص صریح کا مقابلہ کرے اور ظنی تعمیلات شخصیہ غیر مؤید بالنص سے نص قرآنی اور وصیہ نبوی کو رد کر دے، مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق میں واقعہ اجلاء اہل کتاب کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہود خیبر اور نصاریٰ یمن بغاوت کی تیاریاں کرتے تھے اس لئے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے نکال دیا۔ مولانا مرحوم کو اس توجیہہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہ حضرت عمرؓ کے اعمال کو یورپ کے روحانی مذاق کے مطابق دکھلانا چاہیئے تھے اور چونکہ

"لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان"

کا معاملہ ان کے خیال میں آج کل کی تہذیب و روشن خیالی کے خلاف تھا اور اس کی کوئی عقلی مصلحت و حکمت پیش نظر نہ تھی، اس لئے ناچار یہود خیبر کی شرارت اور واقعہ ابن عمرؓ مندرجۂ نبوی کے معاملہ کو محض دفع بغاوت کا ایک سیاسی و عارضی واقعہ بنا دیا، جیسے واقعات یورپ کی تمام نہاد متمدن حکومتوں میں غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہود خیبر کی شرارت اور حضرت عبداللہ کو گرا دینا ایک ایسا واقعہ تھا جو اس معاملے کی تنقید و تکمیل کے

سے اور اس بارہ میں قاضی ابو یوسف کا مذہب، اور حدیث صحیحین

اخرجوا الیهود والنصاریٰ الخ

نے مقابلے میں حدیث ابو عبیدہ بن الجراح سے استشہاد اور نص کے مقابلے میں اخراج کی علت و مصلحت خود قرار دینا اور اس کو امام کی رائے پر مفوض کرنا اور روایت بریدہ سلمی کہ

فان ابوا فسلهم الجزیة فان اجابوك فاقبل منهم"

اور اس سے استدلال تقریر مشرکین در حجاز پر بصورت اداء جزیہ وغیر ذلک، تو ان میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں ہے جو نصوص صریحہ کتاب و سنت کے معارض ہو سکے، روایت ابو عبیدہ خود لغاوت مضطرب ولائق احتجاج نہیں اور آخر تکلم آنحضرت

"اخرجوا الیهود والنصاریٰ"

ہے جو نسخ جمیع ما سبق کے لئے قاطع و صریح، اور نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس مسموع نہیں، اور خود ائمہ و فقہاء نے اجماع کیا، بطلان تعلیل مصالح پر۔ اس لئے کہ تعلیل بمصالح قبول نہیں، تاوقتیکہ منضبط نہ ہو، اور معلوم ہے کہ حکم و مصالح غیر منضبط اور اس طرح کی اکثر تعلیلات خیالیہ و رائیہ ہے

"اعجاب کل ذی رأی برأیه"

سے زیادہ وزن نہیں رکھتیں پس حاجت اطناب اور اپنے مقام پر یہ مبحث صاف ہو چکا ہے۔ علی الخصوص تفسیر البیان میں۔

تقریب ہوئی، ہندوستان میں تجارت کے وسیلہ سے اور حجاز دخول حرم کی جو صورتیں حنفیہ کی جانب سے بیان کی جا سکتی ہیں وہ بہتر سے بہتر اور محدود سے محدود شکل میں بھی ہو سکتی ہیں۔ پھر اگر

فلا یقربوا المسجد الحرام "

کے یہی معنی قرار دیئے جائیں کہ صرف قرب بحالت استیلاء و تمکین ممنوع ہے۔ قانونی قرب و تقریر ممنوع نہیں۔ تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حرم پر غیر مسلموں کا قبضہ و تسلط تو ممنوع ہے مگر قبضہ و تسلط کا دروازہ کھولنا ممنوع نہیں پھر کیا ایسا اجتہاد تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

ولا معصوم حتى نأول له الشريعة ونقرأ
نصوص الكتاب والسنة ولم يأذن الله
ولا رسوله لأحد بهذه النصرة وما أمرنا
باتباع مذهب من المذاهب ولا رأي
من آراء الرجال وارتكاب التحملات
تصحيحه ورضي الله عن مالك ابن انس
حيث يقول ما من احد الا يؤخذ من قوله
ويترك الا صاحب هذا القبر صلى الله عليه وسلم

باقی رہا یہ کہنا کہ آیت لضیف مقید ہے

آیہ - وان احد من المشركين
استجارك فاجره يسمع كلام الله"

اور :-

"ولان الخبث فی اعتقادھم فلا یودی
الی تلویث المسجد"

یعنی اگر کافر ناپاک ہے اور اس لئے اس کا داخل ہونا جائز نہیں تو اس میں مسجد حرام کی کیا خصوصیت ہے؟ تمام مسجدوں میں ممنوع ہونا چاہیئے۔ حالانکہ خود امام شافعی اس کے قائل نہیں۔ اور معلوم ہے کہ کفار کی اصلی نجاست اعتقاد کی نجاست ہے نہ کہ جسم کی، انتہی، حالانکہ نہ تو امام شافعی کی یہ دلیل ہے اور تعلیل بالنجاست سے ان کا یہ مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے قرار دیا ہے۔ خود ہی ان کی جانب سے ایک دلیل قیاساً قرار دے لی ہے، پھر خود اس کا رد کر دیا ہے اور خلافیات میں اس طرح کے تسامحات صاحب ہدایہ سے اور مقامات پر بھی ہوئے ہیں جیسے جواز نکاح متعہ کو حضرت امام مالک کی طرف منسوب کر دینا وغیرہ ذلک،

یہ کتاب آلام اور شرح مہذب اور شرح نووی موجود ہے اور متقدمین و متاخرین شافعیہ کی ان سے زیادہ معتبر اور کون سی کتابیں ہو سکتی ہیں؟ امام شافعی کا استدلال صرف نص قرآنی :- فلا یقربوا المسجد الحرام سے ہے جس نے خود ہی مسجد حرام کو خاص طور پر مخصوص و مستثنے کر دیا، تمام مسجدوں کے لئے ایسا حکم نہیں دیا اور اس ایک قاطع و ناطق دلیل ظاہر کے بعد اور کسی دلیل کی ان کو ضرورت کیا تھی؟ بلا شبہ وہ منع دخول کی علت نجاست کو قرار دیتے ہیں اگر اپنے قیاس و رائے سے نہیں بلکہ اس لئے کہ خود قرآن ہی نے یہ تعمیل کر دی ہے،

امام شافعی کا مذہب اور صاحب ہدایہ کا تسامح

اسی بناء پر حضرت امام شافعیؒ نے اس بارہ میں مذہب تفصیلی اختیار کیا، یعنی غیر مسلموں کا عام مساجد میں داخل ہونا اذن اہلِ اسلام سے جائز ہے مگر مسجد حرام میں نہیں، وہ مستثنیٰ ہے۔ خلافاً للحنفیہ

چنانچہ حافظ نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

"اما قوله تعالیٰ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد فهو خاص بالحرم ونحن نقول لا یجوز ادخاله الحرام

(صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ دہلی)

اور دلائل ان کے وہی ہیں جو اوپر گزر چکے، لیکن صاحب ہدایہ نے اس موقعہ پر سخت تسامح کیا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی عبارت میں اشکال پیدا ہوگیا جس کو قاضی زادہ نے دور کرنا چاہا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ولان الکافر لا یخلو عن جنابة لانه لا یغتسل اغتسالا یخرجه عنها والجنب یجنب المسجد

یعنی امام شافعی کی دلیل منع دخول کے لئے یہ ہے کہ کافر ناپاک ہے، کیونکہ وہ بوجہ غسل معتبر فی الشرع نہ کرنے کے کبھی جنابت سے خالی نہیں ہوتا، پھر اس دلیل کا جواب دیتے ہیں:۔

والتعلیل بالنجاسة عام فینتظم المساجد کلها،

یہی وجہ ہے کہ :-

"ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ

کے جملہ میں حرف تعلیل نے شارحین کو مشکلات میں ڈال دیا بعضوں نے کہا

"حق التعبیر حذف حرف التعلیل"

اور قاضی زادہ کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ خود ایک دلیل مستقل عقلی ہے

اور چونکہ اس سے پہلے نزول وفد ثقیف کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس پر یہ شبہ وارد ہوا تھا

کہ: "کیف انزلھم فی مسجد ھم کفار وقد

وسمّاھم اللہ بکرمنھو نجساً" ؟

تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ

"لان الخبث فی اعتقادھم" الخ

اس تشریح کی الفاظ عبادت سے تائید نہیں ہوتی کیونکہ سلسلہ عبارت ہدایہ

یوں ہے۔ "ولنا ما روی ان النبی علیہ السلام انزل وفد

ثقیف فی مسجد وھم کفار ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ

پس "ولان الخبث"

میں عطف اور تعلیل کا ہونا اس کو "ولنا"

کے سلسلہ میں جوڑ رہا ہے، اگر یہ کسی اعتراض مقدر و محذوف کا جواب ہوتا تو

عطف و تعلیل کا کیا موقعہ تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان تمام کاوشوں کی کچھ ضرورت نہیں

بات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے، صاحب ہدایہ کی نظر شافعیہ کے دلائل پر

نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے قیاس سے ان کی تعلیل بالنجاست کو نجاست جسمی

انما المشرکون نجس فلا یقربو المسجد الحرام

"انما" اور اس کے بعد حرف "نا" کا آنا اپنی دلالت میں ظاہر وناطق ہے۔ مگر وہ نجاست جسمی مراد نہیں لیتے، اگر ایسا ہوتا تو ان کی مذہب میں کفار کی ملامت اور مواکلت اور مشاربت جائز نہ ہوتی، جیساکہ امامیہ اور بعض ظاہریہ کے مذہب میں ہے اور معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے پس وہ نجاست سے نجاست معنوی مراد لیتے ہیں جو عام مسجدوں اور مکانوں کو تو ناپاک نہیں کر سکتی لیکن مسجد حرام کا مرکز و کعبہ ہدایت اور دعار التوحید اس کے قرب و مس کا متحمل نہیں، وہ اپنی فضا کو اس نجاست معنوی کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور بے میل رکھنا چاہتا ہے کہ تمام کرہ ارضی میں کوئی ایک مرکزی مقام تو ہمیشہ توحید و ہدایت کے لئے محفوظ و مخصوص رہے، پس امام شافعی نے اگر اس بارہ میں حنفیہ کے عموم و اطلاق کی جگہ مذہب تفصیل اختیار کیا اور عام مسجدوں میں دخول کی اجازت دیتے ہوئے مسجد حرام کو مستثنیٰ کر دیا، تو یہ مذہب نصوص کتاب وسنت اور قیاس صحیح و حکمت شرعی کے عین مطابق ہے، اور ان کے رد میں یہ کہنا کہ

والتعلیل بالنجاسة عام

اور :-

"ولان الخبث فی اعتقادهم فلا یؤدی الی تلویث المسجد"

بکل بے کار بلکہ بے معنی ہے۔ قرآن نے جو تعلیل نجاست کی ہے، وہ عام نہیں ہے، مسجد حرام کے لئے خاص ہے اور خبث اعتقاد عام مساجد کو ملوث نہیں کر سکتا البتہ مسجد حرام کی خالص اور بے مزج کبریائی کو ملوث کر دے گا۔

سب کا اتفاق ہے، اور حق وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مدینہ بھی مثل کہ حرم ہے اپنے تمام احکام و خصائص میں دلیل اس کی ایک سے زیادہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں۔ ان انجملہ حدیث علی رضی اللہ عنہ بخاری و مسلم و حدیث ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ و انس بن مالک رضی اللہ عنہ و جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ و ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہم، حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"هذا الحديث صريح في الدلالة لمذهب مالك الشافعي واحمد والجماهير في حرم صيد المدينة وشجرها السابق، وخالف فيه ابو حنيفة وقد ذكر هاهنا مسلم في صحيحه تحريما مرفوعا عن النبي صلعم من رواية علي وسعد بن ابي وقاص وانس وجابر و ابي هريرة وعبد الله بن زيد ورافع بن خديج وسهل بن حنيف وذكر غيره من رواية غيرهم ايضاً۔ فلا يلتفت الى من خالف هذه الاحاديث الصحيحة المستفيضة"

(مسلم مع نووی مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۴۱)

یعنی یہ حدیث صریح ہے۔ امام شافعی اور مالک اور احمد کے مذہب کی تائید میں کہ مدینہ کے لئے بھی حرم ہے البتہ امام ابو حنیفہ نے اس کی مخالفت کی ان کے نزدیک مدینہ حرم نہیں اور مسلم نے مدینہ کی تحریم پر اسناد حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، زید، رافع رضی اللہ عنہ اور سہیل بن حنیف احادیث مرفوعہ سے جو

وصبغی پر محمول کیا، اور اس کو نقل کر کے پھر اسی سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ

یعنی جب نجاست اعتقاد ہے تو اس کی بنا پر ممنوع کیوں ہو؟ لیکن چونکہ امام شافعی کی یہ دلیل ہی نہیں ہے اس لئے اس کا جواب بھی نہیں ہو سکتا، البتہ عام مساجد میں دخول کے جواز کے لئے یہ صحیح تعلیل ہے اور دلیل کا کام دے سکتی ہے۔

فلا یقربوا المسجد الحرام

کے متعلق ایک پانچواں مسئلہ اور باقی رہ گیا، یعنی مسجد حرام سے مقصود کیا ہے؟ صرف عمارت کعبہ یا اور بھی کچھ؟ تو اگرچہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ صرف احاطہ مسجد ہے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسجد حرام میں مقصود تمام حرم ہے اور یہ از قبیل اطلاق اسم جزء بر کل ہے جس کے نظائر خود قرآن میں موجود ہیں۔ مثلاً

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ"

میں بالاتفاق مسجد حرام سے مقصود مکہ معظمہ ہے نہ کہ نفس مسجد کیونکہ معلوم ہے کہ اسریٰ کا معاملہ آپ پر جب واقع ہوا تو آپ اُم ہانی کے مکان میں تھے، نہ کہ مسجد حرام میں۔ اور اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مقصود بیت المقدس ہے نہ کہ صرف ہیکل، عطا کا قول حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں نقل کیا ہے۔

"الحرام کلہ مسجد"

باقی رہی مدینہ منورہ کی حیثیت شرعی کہ وہ حرم ہے یا نہیں؟ تو گو بعض فقہا اس طرف گئے ہیں کہ مدینہ منورہ مثل مکہ کے حرم نہیں، لیکن فی الجملہ اس کے حرم ہونے

کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، مسلمانوں کے اذن کی ضرورت نہیں لیکن امام شافعیؒ وغیرہم ائمہ کے نزدیک مسلمانوں کے امام کی اجازت وطلب کے بغیر جائز نہیں۔

ولا یتوقف جواز دخوله علی اذن مسلم عندنا" (اشباہ والنظائر)

اور اصح اور مصالح شرعیہ سے اوفق مذہب امام شافعیؒ ہی کا ہے، چنانچہ اسی لئے اس تحریر کے عنوان میں "مسلمانوں کے اذن" کی قید لگادی گئی ہے، ممکن ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں اس قید کی ضرورت نہ ہو، جب کہ اسلامی حکومتیں غالب حصۂ ارض پر قائم تھیں اور غیر مسلم ہماری مسجدوں میں حاکمانہ اور مساویانہ اقتدار کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے، بلکہ بحکم وہم صاغرون (محکومانہ اور مغلوبانہ) مگر اب ہماری حالت خصوصاً ہندوستان میں دوسری ہے اور ہم کو صرف مسائل کے ایک ہی پہلو پر نظر نہیں ڈالنی ہے۔ بلکہ ہر طرف نظر دوڑانی اور صدہا پہلوؤں کا تحفظ کرنا ہے۔ اگر آج مسلمانوں کے اذن وطلب ورضا کی قید نہیں لگائی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل کو باہمی مخالفت وناچاقی کے زمانہ میں اس نظیر سے مخالفانہ فائدہ اٹھایا جائے گا، اور غیر مسلموں کی ایک مخالف جماعت مسجد کی بے حرمتی اور نمازیوں کی ایذا وضرر کے لئے مسجدوں میں بے تامل داخل ہو جائے گی۔ اور اس طرح مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں بے پناہ ہو جائیں گی، بلاشبہ ایسا تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان میں غیر مذاہب کے علائق اور ان کی تلون مزاجیاں دیکھ کر ہم ایک فعل جائز اور فعل نبوی کو شرعاً ناجائز بتلادیں اور اس کے صدہا برکات وفوائد کا دروازہ اپنے اوپر

کی روایت سے ثابت ہیں اور مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ نے اور روایوں نے بھی احادیث نقل کی ہیں۔ پس جب اس بارے میں اس قدر روایات موجود ہیں تو اس شخص کی بات پکان نہ دھرو جو ان احادیث صحیحہ و مستفیضہ سے مخالف کرتا ہے۔ انتہا اوران نصوص سنت کو صرف اس قیاس بحث کی بنا پر رد کر دینا کہ مقصود حرمت سے حرمت تعظیمی ہے نہ کہ تشریعی (جیسا کہ تورپشتی اور صاحب مرقات وغیرہما نے لکھا ہے) تو یہ صریحی نص شارع کو رد کر دینا ہے۔ محض قیاس و رائے سے اور رائے ابداً مسموع نہیں اور اسی طرح حدیث ابو عمیر عند مسلم سے استدلال، سو اوّل تو وہ مفید عام تحریم نہیں، ثانیاً دونوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ احادیث ناطق حرمت موخر ہیں، حدیث ابو عمیر سے، یا ابو عمیر کی حدیث مخصص ہے اور تخصیص سے عدم تحریم لازم نہیں آتی۔ قالہ الشوکانی فی النیل ۔

پس جب مدینہ کے لئے بھی حرم مثل مکہ کے نصاً ثابت ہوا ۔ اور منجملہ احکام حدود حرم کے منع جواز دخول غیر مسلم ہے تو معلوم ہوا کہ فلا یقربوا کے حکم میں مدینہ بھی داخل ہے اور مدینہ میں بھی غیر مسلموں کا داخل ہونا کسی حال میں جائز نہیں،

وھذا ھو الحق الصحیح الذی لا یرتاب فیہ،

مسجدوں میں غیر مسلموں کا داخلہ مقید ہے یا غیر مقید؟

ایک ضروری تذکرہ اس مسئلہ کا اور رہ گیا یعنی مساجد میں غیر مسلموں کا داخل ہونا مطلقاً جائز ہے یا مسلمانوں کی اجازت کے ساتھ مقید ہے؟

گذشتہ صفحات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

داخل ہوگا تو یہ مسلمانوں کے مذہبی احکام میں مداخلت متصور ہوگا، اور قطع نظر مذہب آئمہ ثلاثہ و جمہور کے خود احادیث باب پر غور کیا جائے تو ان سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کا دخول بلا اذن و رضا امام مسلمین مطلقاً جائز ہے؟ وفد ثقیف کو آنحضرت صلعم نے خود مسجد میں ٹھہرایا اور وفد نجران کو خود آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی ثمامہ بن آثال کو مسلمان گرفتار کر کے لائے اور آپ کے حکم سے مسجد میں باندھدیا پس ان روایات سے بھی ثابت ہوا کہ امام وقت یا مسلمانوں کی طلب و اذن سے غیر مسلم مساجد میں داخل ہوئے اسی طرح آج بھی مسلمانوں کو ایسا کرنا چاہیے۔ اذن کی قید کا ضروری نہ سمجھنا ایک طرح کی تفریط معلوم ہوتی ہے۔ جس طرح مطلقاً منع میں تشدد و افراط ہے۔

ایک غلط استنباط

بعض اخبارات نے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مسجد میں بلا طہارت داخل ہوں تو ہندوؤں کو بلانا اور بٹھانا کب جائز ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ خیالات ایسے لوگوں نے ظاہر کئے ہیں جن کی نسبت معلوم ہے کہ علوم دینیہ سے باخبر نہیں، اس لئے اس بات پر چنداں تعجب نہ ہوا لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں سے متعلق احکام پر غیر مسلموں کے احکام کو قیاس کرنا اور اس سے جواز و عدم جواز کا استنباط، اس قدر سخت نادانی و لاعلمی کی بات تھی کہ یا تو اس پر بہت زیادہ ہنسا جا سکتا ہے یا بہت زیادہ رویا جا سکتا ہے۔ تیسری حالت کوئی نہیں۔ اوّل تو تمام کتب فقہ حنفیہ میں صاف صاف لکھا ہے۔

بند کرلیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اصول شریعت اور آداب و وظائف اقتضا
سے بے بہرہ ہے اور اس کو حق نہیں پہنچتا کہ معاملات شرعیہ میں زبان کھولے، البتہ
یہ ضروری ہے کہ قیام و نفاذ احکام کے ساتھ وقت و حالات کے مقتضیات کی بھی رعایت
ملحوظ رکھنی چاہیے۔ کہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا۔ تو پہلی صورت سے بھی زیادہ مضرتیں
لاحق ہوں گی، پس اس میں شک نہیں کہ جواز دخول کو اذن مسلم سے مقید کردینا نہایت
ضروری اور احکام و مصالح شرعیہ سے اوفق ہے، اور بغیر اذن کے بلاشبہ عدم جواز کا
فتویٰ دینا چاہیئے۔ یعنی جب کبھی مسلمانوں کا کوئی پیشوا یا مسلمانوں کی کوئی جماعت
غیر مسلم یا غیر مسلموں کی کسی صلح پسند اور دوست و حلیف جماعت کو مقاصد صالحہ
ملک و دوست سے مسجد میں بلانے یا کم از کم تقریباً ان کے داخل مسجد ہونے پر راضی
ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ وہ مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں خطبات و مواعظ
مسجد کو سن سکتے ہیں۔ جماعت نماز کا منظر دیکھ سکتے ہیں، اور ضرورت ہو تو غیر اوقات
صلوٰۃ و جماعت میں جائز و مستحسن امور پر پوری آزادی سے تقریر بھی کر سکتے ہیں،
بلکہ خود مسلمانوں کو چاہیئے کہ حسب ضرورت و حالت معاملات مشترکہ پر ان سے مجالس
مسجد میں مشورہ کریں اور ان کی واقفیت و تجارت سے فائدہ اٹھائیں جس طرح حضرت
عمر رضہ مجلس شوریٰ میں بعض اوقات غیر مسلموں کو خود بلاتے تھے اور ملکی معاملات
پر ان سے مشورہ کرتے تھے، مثلاً مسائل تشخیص اقسام زمین، و تعیین جزیہ و تنظیم دفاتر
و دیوان ملکی اور بعض امور متعلق سواد عراق و مصر پر ذمیوں کو بلانے اور مشورہ کرنے
کے واقعات مندرجہ فتوح البلدان و کتاب الخراج و طبری وغیرہ لیکن بعض مسلمانوں
کی بعض مذاہب کے شرعاً جائز نہ ہوگا کہ کوئی غیر مسلم مسجد کے اندر داخل ہو۔ اگر

سے بھی بڑھ کر تمہارے ہندوستان کی مسجدیں مقدس ہو سکتی ہیں جن کی نسبت خود قرآن نے شہادت دی کہ :-

فیہ رِجالٌ یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المتطہرین ؟

اور فرمایا :-

لمسجدٌ اُسّس علی التقویٰ من اول یوم

یعنی بقول اصح اور حسب تفسیر ماثور مسجد نبوی نہ کہ مسجد قبا

(کما ثبت عن ابی بن کعب مرفوعاً عند احمد ، وعن ابی سعید الخدری عند مسلم والترمذی والنسائی والبیہقی والحاکم وابن منذر وابی الشیخ وابن ابی شیبہ وغیرھم)

فیاللہ ویا للعقول !

جس مسجد مقدس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ اور طہارت پر پڑی جس کی دیواریں وحی الٰہی کا مورد و مہبط ہوئیں اور جس کے نمازیوں کی پاکی اور ستھرائی پر خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی وہ تو کفار و عبدۃ الاصنام طائفہ کے نزول و اقامت سے ناپاک نہیں ہوئی اور اللہ کے رسول نے ان کو ٹھہرانے سے پہلے ان کو غسل کر لینے کا حکم نہیں دیا لیکن آج ہندوستان کی مسجدیں ہندوؤں کے چار گھڑی قیام سے ناپاک ہو جائیں گی، اس لیے کہ احکام اسلام کے مطابق وہ غسل طہارت کر کے نہیں آتے ! اگر

"ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم"

یعنی غیر مسلم اگرچہ جنبی ہو، مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا، بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ احکام اسلامی کی تعمیل پر مجبور ہیں اور ان کے لئے بحالت جنابت داخل ہونا جائز نہیں، ثانیاً خود مسلمانوں کے لئے بھی مقیم و عابر کا جو فرق کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔

"وقد جوّزوا عبوره عابراً لسبیل جنباً"

ثالثاً تمام شور و شغب کے لئے قاطع یہ ہے کہ غیر مسلم فروع میں مخاطب ہی نہیں کہ ان کی نسبت احکام طہارت کا سوال پیدا ہو کما تقرر فی الاصول، اور یہ بھی طے پا چکا ہے کہ شرعاً غیر مسلم باعتبار ذات و جسم کے پاک ہے اور لمس و مواکلت و مشاربت وغیرہ میں حکماً عام حالت طہارت جسم و لباس کی ہمارے لئے معتبر ہے اور مزید برآں معاملات طہارت جسم و لباس کی نسبت اگر غیر مذہبوں کے مذہب میں احکام غسل وغیرہ موجود ہیں تو ہم ان کا لحاظ چلنے اور معاشرت کے معاملات میں اعتبار کریں گے اور معلوم ہے کہ ہندوؤں کے یہاں خود احکام غسل موجود و معمول ہیں حتٰی کہ اس بارے میں ان کا حال حد ممنوع تک تشدد اور توہم پرستی تک پہنچ گیا ہے۔ پھر جب خود صاحب شریعت کا کفار عرب کو مسجد میں بلانا اور بطور مہمان کے ٹھہرانا ثابت ہو چکا ہے، حالانکہ مشرکین عرب ہندوستان کے ہندوؤں سے یقیناً زیادہ گندے اور بے احتیاط تھے اور اسی طرح اس عہد کے رومن کیتھولک عیسائیوں کو مسجد میں آنے دیا جن سے زیادہ گندی اور کثافت پسند قوم شاید ہی دنیا میں کوئی گذری ہو۔ تو پھر اب کسی مسلمان کے لئے کب جائز ہے کہ طہارت کی بناء پر اس معاملہ کو ناجائز بتلائے؟ کیا اگر مساجد داخل ہستا ہے

الفاظ مشرکین و کفار کے موجود ہیں۔ ثالثاً یہ مسئلہ متفرع ہے دراصل ایک اصول حکم کے تصفیہ پر یعنی اسلام نے غیر مسلموں کی جو قسمیں قرار دی ہیں۔ ان کے اعتبار سے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار کس قسم میں کرنا چاہیئے، فقہا نے قسمیں تین کی ہیں۔

اہل کتابیں، ——— شبہ اہل کتاب، عامۂ مشرکین و عبدۃ الاوثان۔ اہلِ کتاب، اور شبہ اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنے اور ذمہ لینے پر تو سب کا اتفاق ہے اہل کتابیں کے نص قرآنی۔

حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون"

اور مجوس کے لئے (کہ شبہ اہلِ کتاب ہیں) نص سنت کہ

سنوا بھم سنۃ اھل الکتاب (خرجہ البخاری)

اور حضرت عمرؓ کا اس معاملہ میں توقف اور عبدالرحمن بن عوفؓ کی شہادت کہ خود آنحضرت صلعم نے مجوس ہجر سے جزیہ قبول کیا۔ اور پھر باجماع صحابہ مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنا وغیر ذلک من القول، باقی رہی قسم عام مشرکین کی تو حضرت امام ابو حنیفہ امام احمد (فی احدی روایتیہ) اس طرف گئے ہیں کہ مشرکین عرب سے جزیہ لینا اور ان کے لئے بجز اسلام و سیف کے تیسری صورت نہیں، مگر عجم کی تمام بت پرست اقوام سے جزیہ لیا جائے گا اور ان کا شمار اہلِ ذمہ میں ہوگا قاضی ابو یوسف رح کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

وجمیع اھل الشرک من المجوس وعبدۃ الاوثان والمیزان والحجارۃ والصابئین و السامرہ توخذ منھم الجزیۃ ماخلا اھل الردۃ

موجودہ عہد کے علماء کی فقاہت و افتاء کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے تو پھر

بجز انا للہ و انا الیہ راجعون

پڑھ دینے کے سوا چارہ نہیں! اور شاید اس کے پڑھ دینے کا وقت مدت ہوئی کہ آچکا اور گزر چکا!

ہندوستان کے ہندو کس قسم کے غیر مسلم ہیں

جب وقت کی مسی صلاحیتوں کا یہ حال ہے تو عجب نہیں بعض حضرات اس تحریر میں جا بجا "ذمی" کا لفظ دیکھ کر یہ شعبہ وارد کریں کہ "ذمیوں" سے غیر مسلموں کی ایک خاص طرح کی جماعت مقصود ہے۔ عام طور پر تمام غیر مسلموں کے لئے یہ احکام کیونکر مفید جواز ہو سکتے ہیں؟ ناچار اس کی نسبت بھی چند کلمات کا لکھنا ضروری ہوا۔

اولاً تو بنیاد جواز کی جو نصوص ہیں ان میں ذمی و غیر ذمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا وفد نجران کے عیسائی تحقیق حال کے لئے آئے ہے۔ ابھی اسلام کے محکوم ہی نہیں ہوئے تھے کہ ذمیوں میں ان کا شمار ہوتا یہی حال وفد ثقیف کے ارکان کا تھا اور ثمامہ بن آثال کے ربط ساریہ مسجد کی صورت تو بالکل واضح اور عدم امتیاز ذمی و غیر ذمی کے لئے ناطق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"وقیل یوذن للکتابی خاصۃ وحدیث الباب یرد علیہ فان ثمامۃ لیس من اھل الکتاب" (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

ثانیاً کتب فقہ کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں وہ صرف ذمیوں کے متعلق نہیں ہیں بلکہ صریح

میں اور شبہ اہلِ کتابین میں بھی مجوس سے کہیں بلند مرتبہ رکھتے ہیں جب باوجود پرستش آتش و عدم انضباط شریعت و احکام، مجوسیوں کی نسبت فرمایا۔

سنوا ھم سنۃ اھل الکتاب۔

اور باوجود پرستش کواکب صابئین کو جمہور نے مثل اہل الکتاب کے قرار دیا۔ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہندو باوجود ضبط شریعت و احکام و حفظ علوم و تمدن و ادعائے وجود صحف و کتب محض پرستش قوی و اشکال و صور مظاہر فطرت کی بنا پر کیوں اہل کتاب میں تسلیم نہ کیے جاویں۔ حافظ ابن قیم صابئہ کی نسبت لکھتے ہیں

" انھم امم کثیرۃ و اکثرھم فلاسفۃ و لھم مقالات مشھورۃ، فانھم احسن حالاً من المجوس فاخذ الجزیۃ من المجوس تنبہ علی اخذھا من الصابئۃ بطریق اولی فان المجوس من اخبث الامم دیناً و مذھباً

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے ہندو ان دونوں قوموں یعنی مجوسیوں اور صابئہ سے بھی بدرجہا بہتر حالت و افضل حیثیت مذہبی و مدنی رکھتے ہیں پس اگر ان دونوں کا شمار شبہ اہل کتابیں میں ہوا تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ہندوؤں کا شمار بطریق اولیٰ ہوگا۔

حافظ ابن المنذر نے حضرت علی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے:۔

انا اعلم الناس بالمجوس ۔ کان لھم علم یعلمونہ و کتاب یدرسونہ "

اور قاضی ابو یوسف نے بہ سلسلہ اسناد روایت کی ہے۔

قال علیؑ انا اعلم الناس بھم کانوا اھل

من اهل الاسلام واهل الاوثان من العرب فان الحکم فیهم ان یعرض علیهم الاسلام فان اسلموا والا قتل الرجال منهم وسبی النساء والصبیان (صفحہ ۷۳)

متفادا یہ کتاب السیر میں ہے:

"وتوضع الجزیۃ اهل الکتاب والمجوس وعبدۃ الاوثان من العجم"

مگر حضرت امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں اور اصناف اہل الذمہ کو صرف اہل کتاب و مجوسیوں میں محدود کر دیتے ہیں۔ اور امام مالکؒ اور قاضی ابو یوسف کا یہ مذہب ہے کہ سب سے جزیہ قبول کیا جائے گا، اگرچہ عرب کے بت پرست ہوں وہ کہتے ہیں کہ اگر سورۂ برأت کے نزول اور عام تبوک کے بعد (جس میں باتفاق آیۂ جزیہ نازل ہوئی) مشرکین عرب کا وجود باقی رہا ہوتا تو ان سے بھی جزیہ قبول کیا جاتا اور اس میں شک نہیں کہ دلائل کی قوت آخری مذہب ہی کے ساتھ ہے اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب بغایت ضعیف ہے۔ بہرحال فقہاء حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور جمہور کے نزدیک مشرکین عجم بھی باعتبار اخذ جزیہ و قبول ذمہ شبہ اہل کتاب میں داخل ہیں۔ اس لئے ہندوستان کا شمار بھی قطعاً اسی صنف میں ہوگا۔ اور جو بات مشرکین عرب کے لئے جائز رکھی گئی ہوگی وہ ان کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اور اگر تحقیق مقام کا ایک قدم اور آگے بڑھایا جائے تو حق یہ ہے کہ ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار شبہ اہل کتاب میں ہے نہ کہ قسماً عبدۃ الاوثان

ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کر سکتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان

بعض مفسرین و فقہاء نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان نقل کیا ہے کہ انہوں نے غیر مسلموں کی مسجدوں میں جانے سے روک دیا تھا، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

قال الامام ابو عمرو الاوزاعی کتب عمر بن عبد العزیز ان امنعوا الیهود والنصاریٰ من دخول مساجد المسلمین (جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)

لیکن جب مرفوعات کی موجودگی میں موقوف و اقوال صحابہ حجت نہیں تو ظاہر ہے کہ خود شارع کے نص و فعل کے مقابلہ میں صرف حضرت عمر بن عبد العزیز کا مجرد قول اور اجتہاد کیا وزن رکھتا ہے؟

و اذا جاء نہر اللہ بطل نہر المعقل!

ذمیوں کے دخول مسجد حرام کی نسبت احناف کی رائے اور اس کا جواب

اس وقت میں نے حافظ ابن کثیر کی تفسیر دیکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی مؤید ایک روایت ملی۔ اگرچہ فتح القدیر وغیرہ نے اس سے استدلال نہیں کیا ہے۔ امام موصوف کا مذہب یہ ہے کہ مسجد حرام میں بھی ذمی داخل ہو سکتے ہیں۔ غالباً ان کے مذہب کی بنیاد یہ ہو کہ عبد الرزاق نے ابو الزبیر سے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے:۔

کتاب یقرؤنه وعلم یدرسونه فنزع من صدورهم

کتاب الخراج صفحہ ۱۴۹) ولکن صحفه جماعت من

الخطاط کما قال ابن القیم)

یعنی میں سب سے زیادہ مجوسیوں کی نسبت علم رکھتا ہوں۔ ان کے پاس علم تھا۔ جس کو پڑھتے پڑھاتے تھے اور کتاب (ژند اوستا) تھی جس کے درس و نظر میں مشغول رہتے تھے میں کہتا ہوں کہ آج ہر وہ شخص جس کو ہندوؤں کی حالت کا علم ہے بعینہ یہی جملہ مع شیئی زاید کہہ سکتا ہے کہ

کان لهم علوم یعلمونها وکتب یدرسونها

وشریعة یعملون بها ولکن ضلوا عن

سواء السبیل کما ضل النصاری

وقالوا ان الله ثالث ثلاثة واتخذوا احبارهم

ورهبانهم اربابا من دون الله والمسیح بن

مریم۔ وما امروا الا لیعبدوا الها واحدا

سبحانه وتعالی عما یشرکون ۔

یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب نے باتفاق جمیع علماء حنفیہ ہند، ہندوؤں پر جزیہ کے احکام جاری کئے تھے۔ نادانی و بے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ ان کی تذلیل و تحقیر ہے، حالانکہ اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق مشتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ ان کی تذلیل نہیں ہے۔ بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک

اس مسئلہ میں اختلاف کے علاوہ آئمہ ثلاثہ کی رائے

غالب جماعت علماء ہند کا عمل و فتویٰ فقہ حنفی پر ہے اس لئے عملاً اس بحث کا اس وقت خاتمہ ہو گیا جب معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں فقہا حنفیہ کا مذہب کیا ہے؟ لیکن تحقیق و تکمیل بحث کے لئے مناسب ہو گا۔ اگر دیگر ائمہ اہل اسلام کے مسالک بھی صاف ہو جائیں علی الخصوص جبکہ فقہ جامع سے بے خبری اور اشتعال بہ مجرد فقہیات درتبیہ حنفیہ کی وجہ سے غلافیات میں لوگوں کی معلومات کوتاہ اور حکم اکثر حالتوں میں غلط ہوتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی نسبت ہدایہ وغیرہ کی شروح میں تم نے دیکھا ہو گا کہ اس بارے میں ان کا مذہب مطلقاً منع ہے۔ اسی بنا پر تعلیل بالنجاست کے جواب میں بعض شارحین ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ دلیل شافعیہ کے لئے مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ مسجد حرام کے علاوہ عام مساجد میں وہ بھی قائل جواز دخول ہیں۔ البتہ مالکیہ کے لئے ہو سکتی ہے جن کا مذہب مطلقاً منع ہے لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اصلیت اس کے خلاف ہے اور در اصل اصح و مفتی بہ مذہب مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مذہب تفصیل ہے جو امام شافعی کا ہے ان کو مطلقاً جواز کے اختلاف سے نہ کہ جواز مقید بالاذن والرضاء سے یہ معلوم ہے کہ فقہاء و ائمہ کے اقوال و مذاہب کی نسبت بے شمار مسائل ہیں۔ لہٰذا اوقات مختلف روایتیں بلکہ متضاد روایات پائی جاتی ہیں اور فقہ حنفی میں تو اس کے نظائر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ باوجود تدوین کتب صاحبین خود صاحبین کے اقوال ظاہر الروایت میں کچھ ہیں اور غیر ظاہر الروایت کتب میں کچھ۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ کوئی مذہب نہیں جس کے مطابق کوئی نہ کوئی

انہ یقول فی قولہ تعالیٰ : انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا الا ان یکون عبداً او احداً من اھل الذمۃ

اسی روایت کو باختلاف الفاظ امام احمد نے بطریق حسن عن جابر مرفوعاً بھی روایت کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

" تفرد بہ الامام احمد مرفوعاً والموقوف اصح اسناداً " جلد ۲ - ۳۴۱)

لیکن اس روایت سے بھی جمہور کے مذہب منع دخول پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لئے کہ

انما المشرکون نجس فلا یقربوا ۔

کا نص عام و مطلق موجود ہے اور اس سے اہل الذمہ اور غلاموں کو مستثنیٰ کرنا قرآن پر زیادتی ہے اور جب احناف کے نزدیک ہر طرح کی زیادہ نسخ ہے اور وہ خبر احاد و مرفوع سے بھی جائز نہیں،

الزیادۃ علی الکتاب نسخ فلا یکون الا بآیۃ ناسخۃ او حدیث مشہور ناسخ "

تو پھر حضرت جابر کے قول سے حکم عام و مطلق قرآن پر کیونکر زیادتی جائز ہو سکتی ہے علی الخصوص جبکہ دیگر دلائل و قواطع اور معامل عہدِ صحابہ و خلفائے راشدین و عمل مستمرۂ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اس کے ساتھ موجود ہے۔

ذمیوں کو اجازت دی جا سکتی ہے اگر مصلحت ہو مگر غیر ذمیوں کو نہیں اور اکثر فقہا مالکیہ کا فتوٰی اسی پر ہے۔ سید محمد امیر حاشیہ مجموعۃ الفقہی میں لکھتے ہیں

مناسب مقام پر ایک واقعہ یاد آ گیا ـــــ میں جب نپولین بونا پارٹ نے مصر پر حملہ کر کے فتح کر لیا اور ڈھائی برس تک فرانسیسیوں کا قبضہ رہا تھا تو خود نپولین اور اکثر افسران فوج نے علانیہ جامع ازہر میں اسلام قبول کر لیا تھا، جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے تھے، اور اسلامی نام بھی اختیار کر لئے تھے۔ مگر تمام فرانسیسی فوج بدستور عیسائی سمجھی جاتی تھی اور اکثر مسجدوں میں داخل ہو جاتی تھی۔ اس پر یہ بحث چل پڑی کہ غیر مسلموں کو مساجد میں آنے دینا چاہیے یا نہیں ؟ ازہر کے بعض علماء مالکیہ نے کہا کہ جائز نہیں لیکن شیخ عبدالرحمان جبرتی صاحب تاریخ عجائب الآثار نے ایک خاص رسالہ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ مالکیہ کے مذہب میں بھی اذن و اجازت اہل اسلام کی شرط کے ساتھ جائز ہے پس بغیر مسلمانوں کی اجازت کے عیسائی داخل نہ ہوں اجازت لے کر رعایتِ احترام و تعظیم مسجد کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں یہ پورا واقعہ شیخ عبداللہ شرقاوی نے تحفۃ الناظرین میں لکھا ہے جو اس وقت شیخ الازہر تھے۔ مگر کتاب مذکور اس وقت میرے پاس نہیں۔

مقامات و بلاد اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق کی تفصیل

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بلاد اسلام غیر مسلموں کے حق میں تین حالتیں رکھتے ہیں۔

روایت فقہ حنفی میں نہ مل جائے لیکن بایں ہمہ عمل و فتویٰ قول اصح و مفتی بہ پر ہے نہ کہ مرجوح غیر معمولی پر۔ یہی حال دیگر ائمہ کے یہاں بیش آیا لیس دیکھنا صرف یہی نہیں ہے کہ ان کے اقوال کون کون سے منقول ہیں؟ بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان کے یہاں کی تقسیم طبقات و مسائل اور عمل و افتاد کے لحاظ سے اصح اور معمول و مفتیٰ بہ کون سا ہے؟

حضرت امام احمدؒ کے اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ ایک میں ذمیوں کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے مگر غیر ذمی کفار کے لئے ناجائز اور دوسرے میں تمام غیر مسلموں کے لئے جائز گو اذن مسلم کی شرط دونوں میں ہے۔ اور فقہاء حنابلہ کا فتویٰ و عمل اسی دوسرے قول پر ہے۔ کتاب المستوعب میں (جس پر تمام فقہائے متاخرین حنابلہ کا عمل و فتویٰ ہے) تمام اقوال جمع کر دیئے ہیں۔

هل يجوز للكافر دخول مساجد الحل؟ على روايتين

پھر کہا ــــــ

"وان الصحيح من المذهب الجواز"

بلکہ بعض اکابر حنابلہ کے نزدیک تو اذن مسلم کی بھی شرط نہیں ہے۔ اگرچہ یہ قول مرجوع ہے۔ آداب الکبریٰ ابن مفلح میں ہے۔

فی جواز دخول الكافر مساجد الحل باذن مسلم لمصلحة روايتان۔ وحكى بعض اصحابنا رواية الجواز من غير اشتراط اذن "

یہی حال فقہا مالکیہ کا ہے۔ ایک قول میں تو مطلقاً منع ہے دوسرا قول یہ ہے کہ

وقال ابن الکلبی

جزیرة العرب من اقصی عدن الی ریف
العراق فی الطول ، واما فی العرض فمن
جدة وما والاها من ساحل البحر الی اطراف
الشام ، وتبوک من الحجاز "

تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام وحنیفہ کی اذن سے غیر مسلم داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک مسافر کے قیام سے زیادہ ٹھہراؤ اور توطن جائز نہیں یعنی زیادہ سے زیادہ تین دن تک خاص حالتوں میں امام وقت اس سے زیادہ دنوں کی بھی اجازت دے سکتا ہے مثلاً سفراء دول وارباب صناعت وغیرہ کو لیکن تمکین قیام اور توطن و تقرر شرعاً جائز نہیں خواہ ذمی ہوں خواہ مستامن۔ لو میتہ صلعم۔

" اخرجوا الیهود والنصاری من جزیرة العرب
وغیر ذلك من نصوص السنة فی هذا الباب ومنها
ما روی عن عمر بن الخطابؓ انه سمع رسول الله
صلعم یقول "لاخرجن الیهود والنصاری من جزیرة
العرب حتی لا ادع الا مسلماً" واجلاهم عمرؓ
فی خلافته باجماع الصحابة ۔

اور اس نص صریح کے خلاف اصحاب ظن وتخمین کی کوئی تاویل قیاسی ورائی مسموع ومقبول نہیں اور استنباط علت مصلحت بایں طور اگر کوئی مصلحت مقتضی تقرر اہل کتاب وکفار در عرب کی ہو تو اخراج ومنع توطن ضروری نہیں صریح

اولاً حرم تو جائز نہیں ہے کہ کسی حال میں بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کا موقع دیا جائے خواہ ذمی ہو خواہ مستامن اور کوئی قیاس اور تعلیل با لمصلحت وغیرہ اس بارے میں مسموع و مقبول نہیں۔

لظاہر الآیۃ فلا یقربوا المسجد - وبہ قال الشافعی واحمد ومالک والجمہور من السلف والخلف والعمل علی ذلک و للمدینۃ حرم مثل حرم مکۃ -

اور اگر کسی غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم سفراء آئیں یا کوئی اور ایسی ہی ضرورت پیش آجائے (بنا) حرم میں ہو تو ان کو اندر بلانا جائز نہیں بلکہ چاہیئے کہ خود حدود حرم سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرے۔

او یبعث الیہم من یسمع رسالتہم خارج الحرام -

اور گو حنفیہ کا قول اس کے خلاف ہے مگر عمل ان کا بھی اسی پر رہا ہے اگر مسلمانوں کی لاعلمی میں کوئی غیر مسلم بہ تلبیس و فریب داخل ہو گیا ہو تو بمجرد علم اس کا اخراج واجب ہوگا۔

ثانیاً جزیرہ عرب۔

"ما احاط بہ بحر الھند والشام ثم دجلۃ و الفرات او ما بین عدن ابین الی اطراف الشام طولاً، ومن جدۃ الی ریف العراق عرضاً" (قاموس)

فعسوا فیها فحق علیها القول، فدمرناها تدمیرا

فی الحقیقت ترک عمل بالکتاب والسنت ہی کا نتیجہ وہ فتنہ اصلیہ و اساسیہ ہے جو آج صدیوں سے باد یم ملت اسلامیہ و محقق غربت الاسلام و سبب تقاقم امر و اشتدا و باس او د میدئ۔

"ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس"

و مولد ہمہ مفاسد و مہالک و باعث جمیع نوازل نہ لازل و قلاقل قرناً بعد قرن اور تازۃ بعد آ نزنی ہو رہا ہے۔

والناس فی غفلت معرضون۔ ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوا وھم یلعبون۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون!

آج ہر طرف لوگ اسباب تنزل و تسفل امتہ پر بحث کر رہے ہیں مگر خواص امتہ اور مدعیان اصلاح و امامت فی الدین تک کو معلوم نہیں کہ اصلی سبب تمام نوازل و مصائب کا کیا ہے۔ کاش اللہ اس حقیقت کے فہم کے لئے اب بھی دلوں کا انشراح فرما دے کہ جن جن چیزوں کو سبب سمجھ رکھا ہے وہ خود کسی علت اصلی کی فرع ہیں، علت اصلیہ نہیں ہیں۔ اصلی علت اول روز سے ایک ہی رہی ہے اور آج تک ایک ہی ہے یعنی ترک عمل بالکتاب والسنۃ اور اقتصار برمجرد روایات فقہیہ، والتزام تمذہب وجوباً وسد باب نظر و اجتہاد و تفقہ فی الدین۔ ایک واضح نظر اس کی یہی مسئلہ تقریر کفار در جزیہ عرب و عدم وجوب اخراج اہل کتاب ہے جس پر محض بربنا تقلید فقہاء حنفیہ سلاطین اہل اسلام عمل کرتے رہے، اور نص رسول کو بمقابلہ

ردّ ابطالِ نصوص بمجرد ظن ورائے بحث ہے اور گو حکم اخراج وحکم "منع قیام" رائے کے خلاف ہو لیکن قیاس و مصالح اور حکمت عقلیہ صادقہ کے ابدا خلاف نہیں جس طرح شریعت کا کوئی حکم قیاس صحیح کے خلاف نہیں ہے۔ یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں مگر سورۂ براۃ کی تفسیر میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ افسوس کہ صدیوں سے اسلامی حکومتوں کا عمل اس حکم صریح شارع کے برخلاف چلا آرہا ہے علی الخصوص حکومت عثمانیہ نے جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کو علانیہ و قانوناً تمکین و توطن و تقرر کی اجازت دے دی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ عین جدّہ میں کہ نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ حدود حجاز میں داخل ہے۔ غیر مسلموں کی تقرر و تمکین سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ اور یہ نتیجہ ہے کتاب و سنت سے بُعد اور علوم اعلیہ قرآن وحدیث کے ترک و ہجر کا اور علی الخصوص علماء اتراک کے فقہانہ جمود و تنگی نظر کا، کہ بلا نظر و تحقیق صرف فقہ حنفی کی روایات پر قوانین ملکی و سیاسی کا دار و مدار ٹھہرایا اور نصوص سُنّت کی اس بارے میں کچھ پرواہ نہ کی۔

فقہا حنفیہ کے نزدیک تو غیر مسلموں کا اخراج خود حدود حجاز ہی سے واجب نہیں ہم تا بہ جزیرۂ عرب چہ رسد؟ اس غفلت و جہل اور ترک احکام شریعت و رد و عقیت نبوی و سنت خلفاء راشدین و تشبث بہ آراء و قیاسات رجال سے جو نتائج مہلکہ پیدا ہوئے، اور جن کا معاملہ اب آخری حد ظہور و بلوغ تک پہنچ چکا ہے۔ وہ دنیا کے ہر باشندے کے سامنے ہیں۔ حاجت بیان کی نہیں۔ البتہ جن پڑے تو ترک عمل بالکتاب والسنۃ کے عقوبت و عذاب پر ماتم کرنا چاہیئے۔

وآد ام دنا ان منھلک قریۃ امرنا مترفیھا

وحل اللہ یحدث بعد ذلک امراً !

ثالثاً تمام ممالک اسلامیہ و بلاد محکوم حکومت اسلام تو ان کا حکم یہ ہے کہ غیر مسلموں کو (خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب) ان میں توطن و قرار کا موقع دینا جائز ہے اور اس کی شرعاً دو صورتیں ہیں۔ عہد اور امان وذمہ اور جب کوئی جماعت ذمیوں میں داخل ہو گئی تو اس کو وہ تمام حقوق امن و نظم و شہریت کے حاصل ہو گئے جو خود مسلمانوں کو شرعاً حاصل ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ وہ مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں مگر امام وقت یا مسلمانوں کی اجازت و رضا سے۔

کیا مسجدیں صرف نماز کیلئے ہیں!

بعض صاحبوں نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "مسجد صرف عبادت کیلئے ہے اسلئے اس قسم کی مجلسیں وہاں منعقد کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ بات پہلے بھی بارہا کہی گئی ہے اور ایک بار سے زیادہ مرتبہ اس بارے میں بتفصیل لکھ چکا ہوں۔ یہاں اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ "مسجد عبادت کے لئے ہے" اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ

"انما بنیت المساجد لما بنیت له

(مسلم عن ابی ہریرہ)

اور یہ

وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً

تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن اگر مقصود یہ کہ بجز نماز کے اس میں

آراء و قیاسات رجال پس پشت ڈال دیا۔ اس کا تخم اوائل ہی میں پڑ چکا تھا لیکن آج برگ و بار مسلمانوں کے سامنے ہیں، اور ہر ذی عقل موجودہ حالات کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ حق وہ تھا جو اللہ کی وصیت اور متبعین ظواہر نصوص کا مسلک تھا یا حق یہ ہے جو ارباب آراء و تاویلات قیاسیہ نے اختیار کیا؟ بایں ہمہ اب تک بدقسمتی تشخیص مرض کے امراض اور تجویز و تنقید علاج سے جہل و اغماض ہے۔ آج کون ان مسلمانوں کو جو ایک ہی صراط مستقیم کو چھوڑ کر سُبل متفرقہ میں بھٹک گئے ہیں۔ یہ بتلائے کہ راہ خوذ و مکانات ما سلف وہ نہیں، جس کا غلغلہ و ہنگامہ ہر طرف مچا جا رہا ہے۔ بلکہ صرف ایک ہی تھی اور ایک ہی ہے۔ یعنی بحکم

"عضوا بالنواجذ" اعتصام بالکتاب والسنۃ

اور بہ تعمیل وصیت نبوی بہ حذیفہ کہ

فاعتزل تلك الفرق كلها وان تعض باصل شجرة

(رواہ البخاری)

ترك ما سواهما وان تعضوا باصل شجرة ؟

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند!

بہرحال دوسری قسم بلاد اسلامیہ کی بجز کفار جزیرہ عرب ہے جس کی نسبت شریعت حقہ کا حکم وہ تھا اور مسلمانوں نے عمل کیا۔ اور اس کی پاداش میں وہ سب کچھ ہوا جو ہو چکا ہے اور وہ سب کچھ ہوتا ہے، جو ہو رہا ہے۔ تا از پردہ غیب چہ رو دہد!

اور واقعہ لعان کی مشہور روایت لائے ہیں۔ مسافر کا مسجد میں قیام بالاتفاق جائز ہے اور امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے۔

"نوم المرأۃ فی المسجد"

اور اس میں بروایت حضرت عائشہؓ ولیدہ (ایک لڑکی) کے آنے اور مسلمان ہونے اور مسجد میں قیام کرنے کا واقعہ لائے ہیں۔

"فکانت لھا خباء فی المسجد خباء"

یعنی خیمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نوعمر و مجرد تھا۔ اکثر مسجد میں سو جایا تھا۔ حضرت علیؓ کا مسجد میں سونا اور آنحضرتؐ کا یہ کہنا

"قم یا اباتراب"

کہنا معلوم ہے۔

مسجد نبوی میں فقراء و صعالیک کی دارالاقامت اور متعلمین قرآن و شریعت کے لئے درس گاہ تھی۔ اصحاب صفہ کے تلقب کا سبب یہی ہے کہ مسجد میں ان کے لئے ایک صفہ (چبوترہ) تھا۔ جہاں شب و روز پڑے رہتے تھے۔ امام بخاری ابو ہریرہؓ کی روایت "نوم فی المسجد"

میں لائے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے میں نے ستر آدمیوں کو دیکھا جن کے جسم پر پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ مسجد نبوی میں علاوہ جماعت صلوۃ کے ہر طرح کی مجلسیں اور صحبتیں منعقد ہوتی تھی۔ آنحضرت صلعم کی نشست اکثر اوقات یہیں رہتی تھی، اور تعلیم و مجلس و صدور احکام و مشورہ و معاملات وغیرہ جو کچھ ہوتا تھا یہیں ہوتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ

اور کچھ نہ ہونا چاہیے تو اس قول سے بڑھ کر جہل، بالشریعت کا اور کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ یہ روا دین و اسفار سنت اور قناطیر مقنطرہ کتب شریعت موجود ہیں۔ جن سے صریح وقطعی اثبات بے شمار اعمال و اجتماعات و مجالس فی المسجد کا ہوتا ہے اور باتفاق تمام و ائمۂ اسلام نے نہ صرف ان کے جواز بلکہ مستحسن و ممنون ہونے پر اتفاق کیا ہے پھر ان سب کا جواب کیا ہو گا؟ اور نہیں تو صرف صحیح بخاری ہی کے ابواب متعلق احکام مسجد دیکھ لئے جائیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمارت مسجد سے کیا کیا کام لئے ہیں؟ وفود کے نزول و قیام کی روائتیں اوپر گزر چکیں۔ در اصل عہد نبوی میں مسجد نبوی بھی اور تمام عمارتوں کی طرح سرکاری مہمانسرا کا بھی کام دیتی تھی، عمارتوں کی تعمیر و تخصیص عہد فاروقی سے شروع ہوئی ہے۔ اموال غنائم اور خراج و زکواۃ وغیرہ بھی مسجد ہی میں لائے جاتے تھے اور وہیں لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ عہد خلفائے راشدین میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا، امام بخاری نے باب باندھا ہے۔

"باب القسمة و تعليق القنو فی المسجد"

اور حضرت انس رض کی روایت درج کی ہے کہ جب بحرین سے خراج آیا تو آپ نے حکم دیا۔

انثروہ فی المسجد، ای صبوہ فی المسجد"

چنانچہ نماز کے بعد تقسیم کے لئے بیٹھے اور مسجد ہی میں تقسیم فرمایا۔ مسجد ہی دار القضاء والافتاء تھی۔ بے شمار واقعات اس کی نسبت موجود ہیں۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے۔

"القضاء و اللعان فی المسجد"

الا ان تکون من الزھدیات فیجوز الاکثار کان المساجد وضعت لذکر اللہ،،

علامہ سفارینی شرح منظومۃ الآداب میں لکھتے ہیں :-

قلت ومثل الزھدیات بل اولی ما فیھا مصلحۃ المسلمین عن ھجو اعداء اللہ وتحریض المومنین علی اتباع الحق والاجتناب عن السیئات،،

(جلد ۲ - ۲۵۸)

اور آنحضرت کے نماز صبح کے بعد مصلّیٰ پر کچھ عرصہ تک تشریف فرما رہنے والی روایت میں بعض صحابہ نے کہا کہ

ہم لوگ نماز کے بعد ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے تھے کہ عہد جاہلیت کے واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم دیکھتے اور کبھی کبھی متبسم ہو جاتے۔ اور ثوبان کی روایت متضمن منع انشاد شعر کہ

"من رأیتموہ ینشد شعراً فی المسجد،، الخ

تو بالاتفاق اس سے مقصود اشعار نصیب و معاشقہ و مطالبات جاہلیت ہیں نہ کہ نفس انشاد شعر۔

جمعاً بین الاحادیث۔

عہد نبوی میں مسجد ہی شفاخانہ کا کام دیتی تھی۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے

"باب الخیمۃ فی المسجد للمرضیٰ وغیرھم،،

جنگ خندق میں سعدؓ زخمی ہوئے تو آنحضرت صلعم نے مسجد میں خیمہ نصب کرا دیا

مسجد صرف نماز کے لئے ہے "

اُن سے پوچھنا چاہیے کہ فوجوں کی تیاری اور ترتیب اس کے لئے مالی اعانات کی فراہمی مفتوحہ بلاد کے انتظامات وغیرہ' ان کی اصلاح میں کس قسم کے کام ہیں نماز یا غیر نماز؟ دینی یا سیاسی؟ صریح و قاطع روائتیں موجود ہیں کہ یہ تمام امور مسجد ہی میں انجام پائے تھے حمایت و نفرت حق میں نظم و نثر کا پڑھنا اور لوگوں کا جمع ہو کر سننا کس کا عمل ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ بن ثابت اپنے قصائد سناتے تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور خوش ہو کر دعا دیتے۔

اللھم ایدہ بروح القدس "

حسانؓ نے اس پر ابو ہریرہؓ سے تصدیق چاہی اور انہوں نے کہا سچ ہے امام بخاری نے اسی روایت سے جواز انشاد شعر فی المسجد کا استنباط کیا اور اس کے لئے ایک باب باندھا ہے اور ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصب لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ لھیجو الکفار "

یعنی آنحضرت صلعم حسانؓ کے لئے مسجد میں ممبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو میں اپنے اشعار سناتے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں :-

لا باس بانشاد شعر فی المسجد خال من سخف و ھجاء للمسلمین"، ثم قال ، و الاولی صیانۃ عنھا

زبان میں ہر قول و فعل ذکر ہے اور معاملات خلافت نوع و ملت و ہدایت و اصلاح امم و دفع جور و اعتدا و اعدائے حق تو علین ذکر کے مدلول میں داخل ہے۔ اور دلیل اس کی خود آنحضرت صلعم اور صحابہ و خلفائے راشدین مہدیین کا عمارت مسجد کو تمام مقاصد ملیہ و اجتماعیہ صالحہ کے لئے بالاتفاق کام میں لانا ہے۔ آنحضرت صلعم کے طرز عمل کے لئے گذشتہ اشارات کافی ہیں۔ صحابہ کرام کا جو حال رہا وہ اس باب میں سب سے زیادہ واضح و قاطع اور علی الخصوص اجتماعات حاضرہ کے لئے پوری طرح اسوۂ حسنہ ہے۔ اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ ہمیشہ مسجد نبوی میں رہی۔ یہی مشورہ گاہ اعیان ملت و اصحاب حل و عقد و عامۂ اہل اسلام بھی جس میں سارے ملکی و سیاسی و مالی معاملات فیصل ہوتے اور انجام پاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب کبھی کوئی اہم مشورہ طلب معاملہ پیش آتا تھا تو ایک آدمی مقرر تھا (غالباً موذن) جو شہر میں باین الفاظ اعلان کرتا۔ "الصلوٰۃ جامعۃ"

یہ سنتے ہی لوگ مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ جب تمام لوگ آ چکتے تو حضرت عمرؓ حاضرین کو مخاطب کرتے اور مشورہ طلب معاملہ کثرت رائے سے طے پاتا۔ (طبری مطبوعہ مصر جلد ۵ - ۱۵۳)

حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک خاص مجلس شوریٰ بھی قائم کی تھی جو اس عام مجلس کے علاوہ تھی۔ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ یہ مجلس ہمیشہ مسجد ہی میں منعقد ہوتی تھی مجوسیوں کو اہل الذمہ قرار دینے کا مسئلہ اسی مجلس میں طے ہوا تھا۔

کان للمھاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم فیہ و یحدثھم

اور اسی میں رکھا تاکہ قریب رہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں بجز نماز کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے انہیں معلوم وہ لعب حبشہ والی روایت کو سن کر کس قدر متعجب ہوں گے؟

امام بخاری نے تو ایک خاص باب ہی اس واقعہ کی بنا پر باندھ دیا۔

باب اصحاب الحراب فی المسجد "

الحراب بالکسر جمع حربہ۔ نیچے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت لائے ہیں:

لقد رائت رسول اللہ صلعم یوما علی باب حجرتی و الحبشۃ یلعبون فی المسجد ۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے اور بوجہ شہرت احتیاج ذکر نہیں۔

حافظ عسقلانی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وفی بعض طرق ھذا الحدیث ان عمر انکر علیھم فی المسجد فقال لہ النبی صلعم دعھم ۔ فتح الباری مصری جلد اصفحہ ۳۵۷

بلاشبہ ان واقعات میں بہت سے واقعات ایسے تھے جو ان دنوں عارضی طور پر احتیاجاً وقوع میں آئے اور اب بحالت اعتبار و التزام ان کو ضرور روکا جائے گا۔ مثلاً یہی آخری واقعہ لیکن مقصود ان واقعات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لئے ہے تو اس کو سوچ سمجھ کر کہنا چاہیے یہ نہیں کہ جو منہ میں آیا کہہ دیا اور جو بات اپنی ہوا و خواہش کے خلاف ہوئی۔ اس کو جھٹ ناجائز بتلا دیا۔ یہ معلوم ہے کہ مسجد اللہ کی عبادت اور ذکر کے لئے ہے لیکن مسجد کا نماز کے لئے ہونا کب سے مانع کہ تبعاً دیگر مقاصد صالحہ وحقہ کے لئے استعمال میں لائی جائے؟ اور ذکر کا مطلب ہے، لوگوں کو معلوم نہیں۔ قرآن کی

قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں بھی مل جاتا ہے۔ شاید اور کہیں نہ ملے۔ کیونکہ کتاب کا موضوع خراج و عشور و جزیہ وغیرہ محاصل مالیہ ہیں اور تقریباً تمام مالی مسائل کا عملی انفصال حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا ہے۔ کتاب الخراج میں جا بجا موجود ہے۔

ان عمر رضی جمیع اناسا فقال کذا وکذا ان عمر شاور اصحاب النبی - ان عمر رضی استشار الناس فقالوا کذا - جمع الناس ثم قام خطیباً فقال - الخ

اور اسی طرح عام کتب آثار و تاریخ میں تو گو ان روایات میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ تمام مجلسیں مسجد ہی میں ہوئی تھیں لیکن چونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دار الشوریٰ اور دیوان مسجد نبوی ہی تھی، اس لئے ان تمام روایات میں ہر روایت ما نحن بعدہ کے لئے مستقلاً دلیل و شاہد ہے۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت قلت و فقدان علم اور دریغ نظر و فہم کی ہے۔ اور اسی نے ہر معاملہ علم اور ہر وادی عمل میں آفتیں برپا کر رکھی ہیں۔ نظریں کوتاہ ہو گئیں معلومات، سیاست، درسیات و چند شروع کے اندر محدود ہے۔ دین میں فقاہت باقی نہ رہی، نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایک بات کان میں پڑ گئی اور دنیا جہان کا فیصلہ اسی سے دیا۔ اسی حالت کی نسبت کہا گیا ہے :-

حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاء !

لوگوں نے صرف یہ کہیں دیکھ لیا ہے کہ

"مسجد عبادت کے لئے ہے"

عما نابني اليه من امر الآفاق "

(فتوح البلدان مطبوعہ لیڈن صفحہ ۷۰۴)

زہری حضرت ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب فارس سے مال غنیمت کا پانچواں حصہ حسب دستور مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد میں رکھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات بھر بعض صحابہ نے پاسبانی کی، دوسرے دن تمام مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور مال تقسیم کیا گیا۔ کتاب الخراج میں قاضی ابویوسف لکھتے ہیں:۔

"حدثنی علی بن عبد الله عن الزهری عن سعید بن المسیب قال لما قدم علی عمر باخماس فارس قال والله لا یجنها سقف دون السماء حتی اقسمها بین الناس فامر بها فوضعت بین صفی المسجد وامر عبد الرحمن بن عوف وعبد الله بن ارقم فباتا علیها ثم غدا عمر رضی عنہ بالناس علیہ "

(صفحہ ۲۷)

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفاء میں مسجد نبوی ہی تمام مجالس و جامع اور معاملات ملکی از قبیل تقسیم غنائم و تجہیز جیش و انفصال مہمات کی جگہ تھی۔ اس لئے روایات میں گو لفظ مسجد کی تصریح نہ ہو لیکن جہاں کہیں مجالس کے انعقاد بحث و مباحثہ، خطبات و مذاکرہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، مقصود اس سے یہی ہے کہ مسجد ہی میں وہ سب کچھ ہوا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس ملکی کا جس قدر حال

کو تحریک ملتی ہے۔ اس لئے آپ نے اس کو مسجد میں جائز رکھا اور مہلب نے کہا کہ مسجد بنائی گئی ہے جماعت اہل اسلام کے فائدے کے لئے پس تمام ایسے کام جو اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہوں اس میں جائز ہونگے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔

"الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر فی المسجد

اس ترجمہ باب کے اصل نسخہ بخاری میں ہونے نہ ہونے کی نسبت اختلافات ہیں اور بصورت اثبات ترجمہ اس ترجمہ کے ربط و مطابقت کی نسبت شارحین نے بحثیں کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں حافظ موصوف لکھتے ہیں۔

" وادعی ابن المنیر ان ترجمۃ ھذا الباب ذکر البیع والشراء فی المسجد۔ قال ومطابقتھا لقصۃ ثمامۃ ان من تخیل منع ذلک اخذہ من عموم قولہ انما بنیت المساجد لذکر اللہ زاد البخاری ان ھذا العموم مخصوص باشیاء غیر ذلک منھا ربط الاسیر فی المسجد۔ فاذا جاء ذلک للمصلحۃ فکذلک یجوز البیع والشراء للمصلحۃ فی المسجد" (صفحہ ۲۶۲)

یعنی ابن منیر نے اس کی نسبت یہ کہا ہے کہ دراصل اس باب کا ترجمہ متعلق ہے ذکر بیع والشراء فی المسجد سے اور قصہ ثمامہ سے اس کی مطابقت یوں ہے کہ

لیکن نہ تو اس کا مطلب سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کا انتظار ہے۔

نصب حبشتہ واصحاب الحراب -

والی روایت اوپر گزر چکی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مسجد نبوی کے صحن میں ایک مرتبہ حبشی ہتھیاروں کے ساتھ اپنا ناچ اور کرتب دکھلاتے تھے جو دراصل ایک طرح کی فوجی ورزش ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ کو حجرہ کے دروازے سے ان کا کھیل دکھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک سامنے کر دیا تھا۔ اس پر حضرت عائشہ رض جھانک کے دیکھتی رہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت صلعم نے ان لوگوں کو روکنا چاہا تھا کہ مسجد میں کھیل کود نہ کرو، مگر آپ نے فرمایا کہ نہ روکو، کھیلنے دو، کما مر سابقاً۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

" فیہ جواز ذلک فی المسجد"

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنا مسجد میں جائز ہے۔

" قال واللعب بالحراب لیس لعباً مجرداً بل فیہ تدریب الشجعان علی مواقع الحروب والاستعداد للعدو۔ وقال المهلب المسجد موضوع لأمر جماعة المسلمین فما کان الاعمال یجمع منفعة الدین واهله جاز فیه

(فتح ۱/۴۵۷)

یعنی ہتھیاروں کے ساتھ کھیل محض کھیل ہی نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی مردانہ اور جنگی ورزش ہے، جس سے دشمن کے مقابلہ کی استعداد پیدا ہوتی اور شجاعت و ہمت

"ذکر اللہ" اور اصل موضوع بنائے مسجد میں داخل ہیں۔ خود قرآن حکیم نے خطبہ و وعظ جمعہ پر "ذکر" کا اطلاق کیا ہے۔

"اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔"

سب نے اتفاق کیا ہے کہ یہاں "ذکر اللہ" سے مقصود خطبۂ جمعہ ہے نہ کہ صلوٰۃ اور اسی لئے

"وذروا البیع"

کے حکم کی تعمیل بمجرد سماع نداء (اذان) واجب ہے نہ کہ ہنگام قیام صلوٰۃ۔ اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کے جن خطبات جمعہ کو اللہ نے ذکر اللہ فرمایا ان میں صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ "موت کو یاد کرو اور روتے رہو"۔ جیسا کہ اب ہو رہا ہے بلکہ ان میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا جاتا تھا جن کو آج کل بدعت تقسیم اعمال انسانیہ میں "دنیوی معاملات" قرار دیا جاتا ہے۔ جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کے مصالح دینی و دنیاوی کی کوئی بات پیش آ گئی ہے تو آپ نے جمعہ کے دن خاص طور پر اسی کی نسبت خطبہ دیا ہے۔ ایسی ہی خطبات خلفاء راشدین کے ہوتے تھے۔ میں نے گذشتہ سال ایک رسالہ مقاصد و احکام جمعہ پر لکھا ہے۔ اس میں خطبہ جمعہ کی حقیقت اور اس بارے میں ہدی نبوت و اسوۂ حسنہ خلفاء راشدین کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اگر نوبت طبع و تقسیم کی آئی تو انشاء اللہ اس باب میں قانع و قاطع ہوگا۔

رفع الصوت فی المساجد اور حضرت عمرؓ کی روایت کی تشریح

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں مجتہدانہ استنباط و دقائق آفرینی کی بھی نمائش

جس کسی نے ذکر بیع و شراء کو ممنوع خیال کیا تو اسی بناء پر کہ

"انما بنیت المساجد لذکر اللہ"

کے عموم پر اس کی نظر گئی، یعنی اس نے خیال کیا۔ کہ جب مسجدیں صرف اللہ کے ذکر کے لئے موضوع ہیں تو پھر بیع و شراء کا ذکر اذکار اس میں کیوں جائز ہو؟ پس امام بخاری نے اس شبہ کو ادا کرنا چاہا، اور دکھلانا چاہا کہ

"انما بنیت المساجد لذکر اللہ"

کے حکم عام کے لئے تخصیص بہت سی باتوں میں ثابت ہے۔ از انجملہ یہ کہ قیدی کو مسجد میں باندھنا اور رکھنا جائز ہے۔ اور جب بربنا مصلحت یہ بات جائز ہوئی تو ذکر بیع و شراء بربناء مصلحت کیوں جائز نہ ہو؟ انتہا ہمیں یہاں اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس باب کے ترجمہ و مطابقت روایت کی نسبت یہ توجیہہ کہاں تک درست ہے حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔

"ولا یخفی ما فیہ من التکلف"

مقصود اس قول کی نقل کرنے سے یہ دکھلانا ہے کہ آئمہ فقہ و حدیث نے

"انما بنیت المساجد مما بنیت لہ" اور "لذکر اللہ"

کا مطلب کیا سمجھا ہے؟ اور ابن منیر کے قول سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہو گئی۔

دراصل "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" ــــــــــ اور "بنیت لذکر اللہ" کو اگر عام و مطلق بھی مان لیا جائے تو کوئی معانقہ نہیں۔

"لما بنیت لہ" اور "ذکر اللہ"

کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے وہ ساری باتیں جو آنحضرت صلعم و خلفائے راشدین نے مسجد میں کیں اور وہ اکثر امور جن سے آج کل مدعیان علم و حفظ شریعت روک رہے ہیں

ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟"

ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد دوسری روایت عبداللہ بن کعب کی لائی ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کعب بن مالکؓ اور ان کے ایک مقروض مسجد میں اپنے قرضہ کی نسبت بات چیت کر رہے تھے یہاں تک کہ چلا چلا کر باتیں کرنے لگے۔ اور ان کی آواز آنحضرتؐ نے اپنے حجرہ میں سن لی پس آپ نکلے اور کعب کو اشارہ کیا کہ اس قدر اپنے قرض میں سے چھوڑ دو الخ" ان دونوں روایتوں کو اس باب میں امام بخاری نے اس لئے جمع کیا کہ مسئلہ کے دونوں پہلو منع وجواز کے واضح کرنا چاہتے تھے۔

"وھذا من کمال دقتہ استنباط"

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:۔

اشار بالترجمۃ الی الخلاف فی ذلک۔ فقد کرہ مالک مطلقاً سواء کان فی العلم ام فی غیرہ۔ وفرق غیرہ بین ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی وبین ما لا فائدۃ فیہ۔ وساق البخاری فی الباب حدیث عمرؓ الدال علی المنع وحدیث کعبؓ الدال علی عدمہ اشارۃ منہ الی ان المنع فی ما لا منفعۃ فیہ وعدمہ فی ما تلجیٔ الضرورۃ الیہ" (۱/۴۶۵)

کرنی چاہی ہے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جب مسجد میں پکار کر بات کرنے سے کبھی روک دیا گیا کہ احترام مسجد کے خلاف ہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے دو شخصوں سے کہا۔ اگر تم شہر کے باشندے ہوتے مسافر نہ ہوتے، تو میں تم کو سخت سزا دیتا۔ تم مسجد رسول اللہ میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو" تو پھر اس طرح کے "مخلوط جلسے" اور تقریر و بحث کا ہنگامہ کب جائز ہو سکتا ہے؟" حقیقت یہ ہے کہ آج کل مذہبی مسائل کی نسبت جس قدر خامہ فرسائیاں کی جا رہی ہیں ان سے اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے علمی تنزل کے ماتم گسار ہیں۔ ان کے لئے درد و غم اور حسرت و اندوہ کا ایک نیا سامان بڑھ جاتا ہے۔ اول تو "مخلوط" اور غیر مخلوط مجالس کی جدید تقسیم جسے اصول فقہ میں جو اضافہ کیا گیا ہے معلوم نہیں وہ کسی نور الانوار اور تلویح سے ماخوذ ہے؟ پھر کاش:۔ " رفع الصوت فی المسجد"
اور حضرت عمرؓ والی روایت کا مطلب کسی متن اور شرح کی مدد سے سمجھ لیا ہوتا۔ امام بخاری نے صحیح میں باب باندھا ہے "مسجد میں آواز بلند کرنے کا حکم"۔ اور اس میں دو روایتیں لائے ہیں پہلی روایت یہی حضرت عمرؓ والی ہے۔ سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا (ایک اور روایت میں قائماً کی جگہ نائماً ہے اور حاتم کی روایت میں

کنت مضطجعا

ہے۔ یعنی سو رہا تھا) کہ یکایک کسی نے مجھ پر کنکری پھینکی، دیکھا تو عمر بن الخطاب ہیں انہوں نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ میرے پاس بلواؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے پوچھا کہ تم کون ہو یا کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

" لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما۔

بلکہ اس لئے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بے ادبانہ چیختے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی۔ بنیاد اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو نہایت سختی کے ساتھ اس سے روکا تھا کہ رسول اللہ کے حضور میں بے ادبانہ آواز بلند نہ کریں۔

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون

کیونکہ قطع نظر تہذیب کلام کے یہ عادت اس ادب عظیم اور توقیر و تعزیر رسول کے خلاف تھی جو بحکم توقیروہ و تعزروہ امۃ بلکہ جمیع نوع انسان پر فرض ہے کہ جس کے بغیر

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول

کا معاملہ محکم نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آپ کے سامنے آتے تو مجسم تادب و تعظیم اور سکوت و خشوع کی تصویر ہوتے۔ آنکھیں زمین میں گڑی رہتیں اور لب کھلتے تو آواز مشکل سے نکلتی۔ علی الخصوص حضرت عمرؓ کا تو اس بارے میں کچھ عجیب حال تھا چونکہ اس آیۂ کریمہ کا نزول جس واقعہ پر ہوا تھا اس کا تعلق خود انہی سے تھا۔ اور خلقاً ان کی آواز تھی بھی بلند۔ اس لئے نزول آیۃ کے بعد ان کے خفض و نرمی صوت بحضرت رسول اللہ صلعم کا یہ حال ہو گیا کہ

اذا حدث النبی بحدیث حدثہ کاخی السرار لم یسمعہ حتی یستفھمہ" کما رواہ البخاری فی کتاب التفسیر والاعتصام بالسنہ عن ابن ابی ملیکہ ۵

یعنی ترجمہ باب میں اشارہ ہے اُس اختلاف کا جو اس باب میں واقع ہو۔ امام مالک مطلقاً رفع الصوت کو مکروہ کہتے ہیں۔ خواہ درس وتدریس علم ہی میں کیوں نہ ہو اور دیگر آئمہ نے اس بارے میں تفریق و تفصیل کی ہے، ان کے نزدیک اگر کسی ایسی بات کے لئے رفع صوت ہو جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت ہو تو جائز ہے۔ والّا نہیں اور امام بخاری اس باب میں حدیث عمرؓ لائے ہیں۔ منع کے لئے اور حدیث کعبؓ لائے ہیں جواز کے لئے اور اس طرح واضح کیا ہے کہ منع اُس حالت میں ہے جبکہ بیکار اور لغو باتیں پکار کر کی جائیں لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد کے مشورہ ومجالس مسجد میں جائز نہیں۔ تو قطع نظر حقیقت اطلاق الفاظ دین ودنیا، وہ اس جملہ پر غور کریں۔

" ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی "

اور حدیث کعب پر کہ دراصل رفع صوت لین دین کے معاملہ کے لئے تھا جو یقیناً صحیح معنوں میں دنیوی معاملہ ہے۔

باقی رہی حدیث عمرؓ تو گو حافظ موصوف کی عبارت نے اس کا مورد واضح کر دیا لیکن ایک نہایت اہم پہلو باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے طائف کے آدمیوں سے فرمایا۔

" ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ ؟ "

یہ نہیں کہا کہ

" فی المسجد "

یعنی خاص طور پر مسجد رسول اللہ صلعم کا لفظ فرمایا۔ صرف مسجد نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی زجر و تنبیہ اس بنا پر نہ تھی کہ مسجد میں تم نے آواز کیوں بلند کی

"فی مسجد رسول اللہ ؟"

یعنی رسول کی طرف نسبت دے کر دو کا صرف لفظ مسجد نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نہی عام خاص مسجد نبوی سے تعلق رکھتی ہے علت اس کی دوسری اور غیر مشترک ہے، اگرچہ دیگر ادلہ سے یہ ثابت ہے کہ عام مساجد میں بھی بلاکسی ضرورت دینی و دنیوی دنیاداری کی صحبتوں کی جگہ ٹھہرالینا قطعاً ممنوع ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کا اخراج مسجد سے واجب ہے۔

اور تائید اس کی اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے [illegible]ء میں مسجد نبوی کی ازسرِ نو تعمیر و توسیع کی تو مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنایا اور لوگوں سے کہا جس کسی کو بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنا ہو یا شعر و اشعار وغیرہ کے لئے صحبت مقصود ہو تو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔ سمہودی نے خلاصۃ الوفا میں یہ واقعہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر مسجد میں رفع صوت اور مذاکرہ و مجالست کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لئے خاص طور پر اہتمام کیوں کرتے؟ بلکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ مسجد رسول میں بحضور قبر رسول چلا کر بلا ضرورت بات کی جائے اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام مطلوب شارع سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے۔ اس لئے ایک گوشے میں چبوترہ بنا دیا کہ لوگوں کی نماز میں خلل نہیں پڑے گا۔ اور بوجہ بُعد وہ صورت بھی باقی نہ رہے گی۔ جو حضور قریب قبر مبارک میں رفع صوت سے پیدا ہو جاتی ہے اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرت امام مالک کا مذہب اس بارے میں کیا ہے؟ تو یہ حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً منع حتی کہ درس و تدریس علم کے لئے بھی تو دراصل یہ

جب آپ کا وصال ہوگیا تو گو آپ کا پیکرِ جسمی دنیا کی آنکھوں سے چھپ گیا، لیکن انبیاء کرام کی حیاتِ معنوی موت کے دسترس سے باہر ہے۔

"یصلون فی قبورھم" اور

"صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم" (ابوداؤد عن ابی ہریرہ)

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

پس :- ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض

کا حکم بدستور باقی رہا۔ اسی لئے صحابہ کرام کا آپ کی وفات کے بعد بھی یہ حال رہا کہ مسجد نبوی میں قبر مطہر کے حضور کبھی بلند آواز سے بات چیت نہ کرتے اور تمام احکام ادب و حقوقِ رسول کو پورا پورا ملحوظ رکھتے حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کی نسبت منقول ہے کہ مسجد نبوی میں لوگوں کو پکار پکار کر بات کرتے دیکھتے تو سخت خشمگیں ہوتے اور فرماتے تمہیں شرم نہیں آتی کہ قبر مطہر کے سامنے شور و غل مچا رہے ہو حالانکہ اللہ کہتا ہے۔

لا ترفعوا اصواتکم الخ

یعنی اس آیہ کریمہ سے منع رفع صوت بحضورِ رسول پر بعد وفاتِ رسول میں استدلال کیا گیا، اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا واقعہ معلوم ہے کہ ایک شخص کو پکار پکار کر بات کرتے ہوئے دیکھا تو یہی آیہ کریمہ پڑھی اور اس پر سخت غضبناک ہوئے۔ حکاہ ابن الجوزی پس حضرت عمر کا خشمگیں ہونا اور طائف کے دو آدمیوں کو زجر فرمانا بھی اسی قبیل سے تھا۔ اور اس لئے آپ نے فرمایا۔

کے لئے ایک قاری مقرر ہوتا۔ خود ٹہلتے رہتے اور حلقہ کی آواز پہ کان لگائے رہتے جب ضرورت ہوتی تو ٹوکتے۔ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو سولہ سو طالب علم مسجد میں حاضر تھے!۔

یہی حافظ ذہبی حضرت معاذ بن جبل کے ترجمہ میں ابو مسلم خولانی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ :-

غرضیکہ مساجد کا مدارس و بیوت علم ہونا ایک ایسی تاریخی و عملی حقیقت ہے کہ حاجت دلیل و بیان نہیں۔ پھر حضرت امام مالکؒ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں رفع صوت ہر حال میں مکروہ ہے؟ علی الخصوص جبکہ ان کے فقہ و ابواب کا زیادہ تر دار و مدار حضرت عمرؓ کے فتاوی و فرامین خلافت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علوم پر ہے۔ اصل یہ ہے کہ بہت سی غلطیاں خاص مقامات و حالات کے حکم و فتاوی کو عام سمجھ لینے سے بھی متاخرین میں پیدا ہو گئی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خاص جامع کوفہ کی نسبت فرمایا کہ

محراب والے حصے میں نماز مکروہ ہے

کیونکہ ان کے نزدیک وہ ٹکڑا مغصوبہ تھا۔ لوگوں نے اس سے عام طور پر کراہیت صلوٰۃ فی المحراب کا مسئلہ پیدا کر لیا۔ قازانی[1] نے بدائع میں اس کی تصریح کی ہے

---

[1] صاحب بدائع الصنائع کے لقب کی نسبت لوگوں کو بہت تشویش ہوئی ہے صاحب تراجم حنفیہ نے لکھا ہے کہ اصل میں "کاسانی" ہوگا کاشان کی طرف منسوب حالانکہ بات صاف تھی۔ صاحب بدائع نسلاً تاتاری ہیں اور قازن تاتار

صرف مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام مالک کا یہ مذہب نہیں ہے کہ عام طور پر تمام مساجد میں درس و تدریس علم کے لئے بھی رفع صوت نہ ہو، بلاشبہ اُن سے منقول ہے کہ

"انا اکرہ ذلک ولا اری بہ خیرا"

یعنی میں مکروہ رکھتا ہوں کہ مسجد میں درس و تدریس علم ہو لیکن یہ متعلق ہے صرف مسجد نبوی سے اور جس سوال کے متعلق تھا، اور اسی لئے وہ ہمیشہ اپنے مکان پر درس حدیث و فقہ دیتے رہے اور اسی بنا پر مورخین نے ان کے اس طریق کو کمال ادب و تعظیم رسول کے سلسلے میں بیان کیا ہے نہ کہ بعنوان فقہ و احکام، ورنہ ظاہر ہے کہ عام طور پر مساجد میں درس و تدریس علم و رفع الصوت اذا کان للنصح والتذکیر کو وہ کیونکر مکروہ قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ اس کثرت کے اجماعی شواہد نصاً و عملاً اس کے خلاف موجود ہیں؟ آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین نے غنائم تک مسجد میں تقسیم کئے جو مستلزم رفع صوت و قال و قیل ہے اور درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبوی کے آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھی ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں حکم دیا کہ تمام بلاد مفتوحہ میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور ساتھ ہی اُن میں تعلیم و تدریس قرآن و سنت کا بھی انتظام ہو۔ پھر ان مدارس کے لئے فقہاء و قراء صحابہ بھیجے گئے۔ شام کے مدارس کے لئے حضرت ابو الدرداء، حضرت ابی بن کعب معاذ بن جبل وغیرہم بھیجے گئے تھے۔ حافظ ذہبی نے ابو الدرداء کے حال میں لکھا ہے کہ جامع دمشق میں تعلیم دیتے تھے، طریقہ یہ تھا کہ مسجد میں نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہوتے، دس دس آدمیوں کے حلقہ کی تعلیم

مصالح ور فع مقاصد کے لئے تقریریں کی جائیں تو بخاری کی روایت منع رفع الصوت والی فوراً یاد آتی ہے!

یکرہ ان یشرب من فضۃ
ولیرق الغصۃ ان فالعا!

تمام اہل علم وسلف نے اتفاق کیا کہ

جدل وتنازع فی الدین نہ صرف ممنوع ہے بلکہ منجملہ شدید ترین وسائل ضلالتہ امتہ وتحریف شریعت وصد ہدی کے ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا

"ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل"

کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی میں نہیں پڑی، مگر جدل سے

پھر یہ آیت پڑھی:-

"ما ضربوہ لک الا جدلا۔ بل ھم قوم خصمون"

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ عن ابی امام)

تو بد قسمتی سے جدل وتنازع وتعمق فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا، اور اگر آج علوم وعدونات مقبولۂ امت کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ بھی اس فتنہ سے خالی نہیں۔ لیکن ضلالت جدل وتنازع کا عملاً بدترین مقام ونمونہ وہ ہے جو آجکل مناظرہ ومباحثہ مذہبی اور احقاق حق وتحقیق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی مجلسیں عموماً مسجدہی میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ پھر ان مجلسوں میں جو کچھ ہوا کرتا ہے معلوم ہے۔ زبان کی کوئی معصیت، اور جنگ کو صدمے وقوع میں آنے والا کوئی نسق ایسا نہیں ہے جو ان بھیڑوں میں بمصداق دنی نادیکھا امنا، علانیہ نہ

اور مثال میں کہا ہے کہ :-

"اسی طرح امام مالکؒ کی بہت سی باتیں جو خاص مدینہ کی نسبت تھیں عام سمجھ لی گئیں"

یہاں صلوٰۃ فی المحراب کے مسئلہ سے بحث نہیں صرف غلط فہمی کی ایک نظیر دکھلانا مقصود ہے۔

البتہ اگر آج کل کے علماء و واعظین کی مجالس قصص وحکایات وجدل فی المسجد ومکابرات کی نسبت سوال کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ نہ صرف رفع الصوت ممنوع میں داخل ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ زمین کے ہر حصہ اور عمارت کی ہر چھت کے نیچے ناجائز ہیں۔ صرف مسجد ہی پر موقوف نہیں۔ عین ممبر مسجد پر بیٹھ کر باہم گر سب وشتم، تکفیر وتفسیق، اور تلعن وتنابز بالالقاب کیا جاتا ہے۔ جھوٹے قصے اور حکائتیں اور مکذوب وموضوع روائتیں سنائی جاتی ہیں۔ ٹھیک ٹھیک مطربوں اور گویوں کی طرح گٹکریاں مرے کر گایا جاتا ہے۔ محض مراء وجدل اور تنازعے فی الدین کی نیت سے مناظروں اور مباحثوں کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، اور درندوں کی طرح امامت وممبر نشینی کا ایک مدعی دوسرے کی گردن پر خونخوارانہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تو مسلمانوں کے لئے جائز ہیں۔ بلکہ عین مقاصد مسجد میں داخل، لیکن اگر مقاصد صالحہ حسنہ سے غیر اوقات صلوٰۃ میں کوئی مجمع منعقد ہو اور اس میں نصح بلاد ونماء ملت وطلب

(بقیہ فوٹ نوٹ ص ۹۱)

کے رہنے والے تھے۔ جو آج کل روسی ممالک میں داخل ہے۔ اصل میں کازان ہے عربی میں قازان بولنے لگے۔ منہ۔

تحقیق نماز جنازہ غائب کا وعدہ

بعض اخبارات نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ

لوگوں نے مقتولین حادثۂ دہلی کے لئے نماز جنازہ غائب پڑھی جو ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔"

سو اس کی تحقیق بھی ضروری ہے لیکن یہ تحریر بلا قصد بہت طولانی ہو گئی۔ اس لئے اس بحث کو علیحدہ کر دیا گیا۔ کہ مستقلاً شائع ہو جائے گا۔

ہوتا ہو، اور مجرد رفع صوت کا تو ذکر کیا پوچھنا؟

تو گوئی خسروسان شاطر بجنگ

کے معاملہ کے لغیر تو ہمارے علما کا کوئی مناظرہ ہی نہیں، کوئی اس وقت جا کر اللہ کی عبادت گاہ کو دیکھے تو کھنگر خانوں اور خرابات کے ہنگامے اس کے شور و غل کے آگے مات ہیں پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ جدل لسانی کا خاتمہ عموماً جدل بالید و الخراب پر ہوتا ہے، اور لیسا اوقات نوبت مقدموں اور فوجداریوں تک پہنچتی ہے یہ ساری باتیں آج کل کے مسلمانوں کے مذہب میں جائز ہیں، بلکہ از قبیل اعمال متبرکہ و شرعیہ علمائے اسلام نہ ان کا رفع صوت ممنوع ہے نہ گالی گلوچ اور سر پھٹول، لیکن مسجد میں اصلاح ملت و بلاد اور حفظ حقوق ملک و قوم کے لئے جمع ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد میں پکار کر بات نہ کرنی چاہیے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے روک دیا تھا!

انا للہ و انا الیہ راجعون!

کیا اس سے بھی بڑھ کر

"فیبقی ناس جہال یستفتون فیفتون برأیہم فیضلون و یضلون"

(رواہ البخاری عن ابن عمرؓ)

کا مصداق عہد جہل اور عصر ہو سکتا ہے جس کا مسلمانوں کو بھی انتظار ہے؟

فقد جاء اشراطہا فانی لہم

اذا جاءتہم ذکراہم؟

انشاء اللہ ان کا مسلک بھی یہی ہوگا اور اختلاف طریق اصول الی الحق میں ہو سکتا ہے۔ مگر حق میں نہیں۔ اور تعدد رجال و افراد میں ہے۔ حقیقت میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا معلوم ہے کہ اصل کار نصوص و بصائر کے ہے اور وہ جب موجود ہیں تو پھر اور کسی بات کی احتیاج نہیں۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا خط

لکھنؤ کے بعض اخبارات میں اس معاملہ پر رائے زنی کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ جناب عبد الباری فرنگی محلی بھی اس سے متفق ہیں۔ یعنی عدم جواز دخول ہنوز فی المسجد سے لیکن اس بارے میں ان کا جو خط شائع کیا ہے۔ اس میں جواز عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہیں، صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو ہر معاملہ میں چاہیے کہ احکام شرع کا اتباع کریں، اور اپنے اجتماعات وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ کریں جو شریعت کے خلاف ہو، تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں تعجب ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے مولانا ممدوح کے اس خط کو عدم جواز کے ثبوت میں کیوں پیش کیا؟ میرے لئے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ مولانا ممدوح ایک ایسے معاملہ کو ناجائز بتلا دیں جس کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہو چکا ہے اور علی الخصوص فقہا حنفیہ کا مسلک تو اس میں معروف و مسلم ہے، مجھ کو یقین ہے ــــ کہ

و قرآن کے ذکر و استشہاد میں نولیسی ہی مقبولیت و محبوبیت پیدا ہو گئی جیسی پہلے اعراض و انکار میں تھی اور وہی تحریریں عوام و خواص میں مقبول ہونے لگیں۔ جو مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہوں، لیکن اب ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو گیا ہے، پہلے اعراض و غفلت تھی۔ اب ادعا و تکلم و تحکم بغیر علم ہے، پہلے کوئی شریعت کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اب ہر شخص چاہتا ہے کہ شریعت کے بغیر بات نہ کرے۔ اگرچہ شریعت کے علم و عمل سے بالکل بے بہرہ ہو، پہلے قرآن کا نام لیتے ہوئے بھی لوگوں کو شرم آتی تھی کہ کہیں تہذیب و تعلیم کی برادری سے خارج نہ کر دیے جائیں۔ اب ہر شخص جو قلم پکڑ سکتا ہے چاہتا ہے کہ ہر تحریر میں قرآن کی ایک دو آیتیں کسی نہ کسی طرح طرح کھپا دے، اگرچہ لفظاً تصحیف، معنیً تحریف اور استشہاداً غیر مربوط ہی کیوں نہ ہو، اور یہ فتنہ پہلے فتنہ سے بھی اشد و اضر ہے

تلك فتنة الدنيا وهذه فتنة الدين

پہلا فتنہ عمل تھا جس کا نتیجہ فسق ہے اور یہ فتنہ علم و احکام ہے۔ جس کا نتیجہ تحریف، شریعت اور

انقلاب حالات و خاتمہ

خاتمہ سخن میں ایک معاملہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ہر گروہ کے دائرہ نظر و فکر کے حدود ہیں۔ ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ہر گوشہ علم و عمل میں ساری مصیبتیں اسی اعتداء و تجاوز عن الحدود سے پیش آتی ہیں۔ اخبار نویسی ایک عمدہ اور ضروری کام ہے لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر اخبار نویس قضاء و افتاء کا کام شروع کر دے۔ اس کام کو صرف ان لوگوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے جن کا یہ کام ہے اور جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب شریعت و قرآن سے اغماض و اعراض روشن خیالی اور سیاست دانی کی دلیل سمجھی جاتی تھی، لیکن اللہ نے اپنے بعض بندوں کو توفیق دی اور انہوں نے تدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال والاعمال کی صدائے دعوت بلند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت پلٹی اور شریعت

کہ اسلام کی قرار دی ہوئی دو عیدیں، اور مسلمانوں کی گڑھی ہوئی صدہا اعیاد و مواسم بھی قوم کی ترقی کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے ایک نئی عید کا اہتمام شروع کر دینا چاہیئے۔ دوسرے صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ مساجد میں مخلوط" مجالس جائز نہیں، اور ہندوؤں کو مسجد کے مجموں میں بلاتا تو اشدد اکبر معصیت ہے۔

وغیر ذالک من اعجاب کل ذی رای برایہ والاعتصام بالبدعتہ والاحداث فی الدین۔

تو اس دین اناری اور مذہبی طوائف الملوکی سے تو شاید وہی پہلی حالت غنیمت تھی۔ شاید تبدیل حال و قیام امر کے لئے یہ درمیان کی بد نظمی اور بدحال ضروری تھا۔ اور ممکن ہے کہ اس شورش کے بعد اصلی سکون وامن نمودار ہو بہرحال حالات کی طرف سے تو بجز انزائش ملدود اندوہ کے اور کوئی صدا نہیں اٹھتی۔ اِلّا یہ کہ ہر حال میں اعتماد اللہ کے فضل وکرم اور مآلآخر وعدہ نصرۃ و یاوری شریعت وحفظ وصیانتہ ملّت مرحومہ پر ہے۔

واللہ ناصر دینہ، ورافع، علام سنت رسولہ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل،

منھم امیون لا یعلمون الا امانی

کا حاکم و آمر شریعت و ملت بن جاتا ہے۔ آج مسلمانوں کا کوئی اخبار، کوئی مجلس، کوئی کام ایسا نہیں جو اس فتنہ کا تماشاگاہ نہ ہو۔ علی الخصوص اخبارات کا تو یہ حال ہے کہ ان کا ہر نمبر کوئی نہ کوئی نئی مثال ضرور اپنے ساتھ لاتا ہے، کوئی صاحب ایک لمبا چوڑا مضمون شائع کرتے ہیں کہ احیاء ملت بذریعہ احیا شریعت کرنی چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہے۔ کہ علماء اسلام فرائض و واجبات شریعت میں چند نئی دفعات کا اضافہ کر دیں اور آپس میں پنچیت کر کے فتوی دیدیں نماز روزہ کی طرح ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوہ و اہلحدیث کانفرنس کی شرکت بھی شرعاً فرض ہے، اور زکوٰۃ کی طرح انجمنوں کی بدعتوں اور بدعی محافل کا سرو سامان کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیاسی مقاصد و مصالح سے ایسا کرنا بہت ضروری ہے یہ وقت بدعت و سنت کے جھگڑے کا نہیں ہے ان کی تحقیق میں مسلمانوں کی پولٹیکل ترقی بغیر بدعات و فسوق کے اجتماع کے ہو ہی نہیں سکتی ایک صاحب تمام اخباروں میں اعلانات شائع کرتے ہیں۔

هذا آخر ما تیسر لی من تسوید هذا
ما لعجالة مع توزع المناظر وتشتت البال
من تراکم الهموم وکثرة البلبال وکان
الفراغ من تسویدها ضحی نهار السبت
لست بقین من رجب المرجب سنة ۱۳۳۷ھ
حین کنت قیضاً من البلاد محبوساً فی
رانچی وانا الفقیر الی الله احمد کان الله
له وآخر دعوانا ان الحمد لله رب
العالمین۔

ختم شد